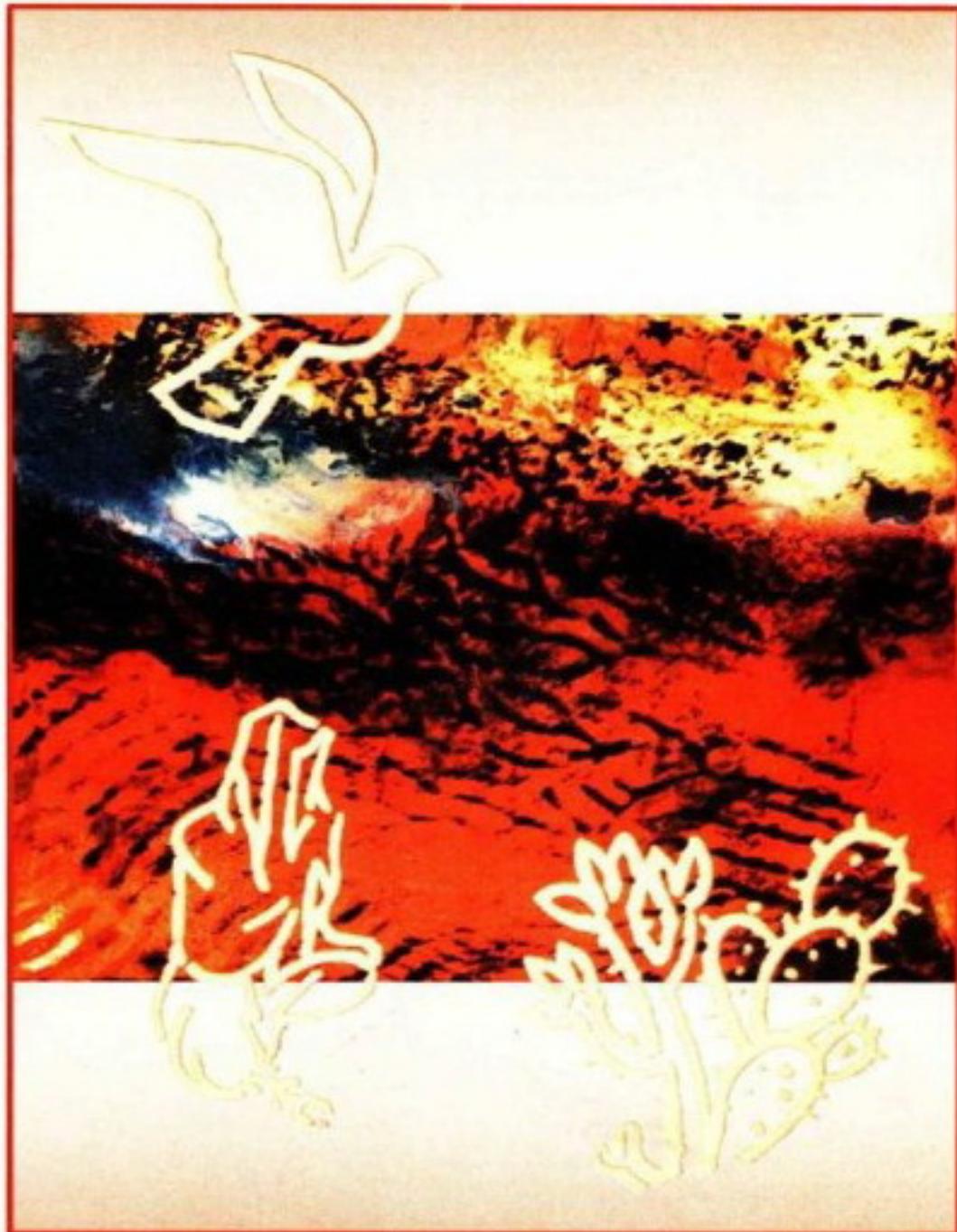


پاکستان کے صوفی شعراء



اکادمی ادبیات پاکستان

اسلام آباد، پاکستان

پاکستان کے صفوی شعراء

پاکستان کے صوفی شعرا

مدیر اعلیٰ:

فخر زمان

مدیر منظم:

خالد اقبال یاسر

مرتبین:

سعیدہ درانی

راشد متبین

اکادمی ادبیات پاکستان،

اسلام آباد، پاکستان

اس کتاب کے جملہ حقوق نام اکادمی ادبیات پاکستان، محفوظ ہیں

نگران اعلیٰ	:	فخر زمان
منتظم	:	خالد اقبال یاسر
ترتیم و طباعت	:	طارق شاہد
سال اشاعت اول	:	1995 (اشاعت اول)
سال اشاعت دوم	:	2009 (اشاعت دوم)
تعداد	:	500
ناشر	:	اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد H-8/1
مطبع	:	کلاسیک، لاہور
قیمت (پاکستان میں)	:	محلہ 425 روپے بیچ بیک 400 روپے
(بیرون ملک)	:	15 ڈالر (امریکہ)
	:	6 پونڈ (بریتانیہ)

Pakistan Kay Sufi Shuara (Urdu Translation)

Chief Editor
Fakhar Zaman

Published by
Pakistan Academy of Letters
Islamabad, Pakistan.

فهرست

شماره	عنوان	پیش لفظ
۷		تعارف
۹		با با فرید گنج شکر
۲۹		شاه حسین
۵۵		مخدوم شاه عنایت
۸۱		خوشحال خان خنک
۹۷		سلطان بابو
۱۳۳		رحمان بابا
۱۶۷		بلھے شاه
۲۰۹		شاه عبداللطیف بھٹائی
۲۵۵		جام درک
۳۱۳		سچل سرست
۳۳۹		طوق علی مت
۳۵۵		سیاں محمد بخش
۳۷۵		خواجہ غلام فرید
۳۲۱		سائیں احمد علی
۳۶۵		کتابیات
۳۷۹		

پیش لفظ

پاکستان ایک نیا ملک ہے مگر یہاں کی زمین بہت قدیم ہے۔ یہ درحقیقت وادی سندھ سے شروع ہونے والی تندب کی امین ہے۔ اب بھی جب ہم کسی عجائب گھر میں رکھے ہوئے فن پاروں اور ثقافتی نمونوں کے سامنے رکتے ہیں تو ہمارا ذہن قبل تاریخ کے گندھارا اور مومن جوڑا روکی طرف جاتا ہے کیونکہ زمانہ بعید کی تصدیق عجائب گھروں ہی میں ملتی ہے۔

اس سر زمین پر جا بجا صوفیائے کرام کے مزار ہیں۔ لوگ صدیوں سے بڑی تعداد میں ان کی زیارت کو آتے اور لافانی نئے گاتے ہیں، جو ان کے دلوں کو تکین پہنچاتے ہیں۔ جب کوئی شخص سندھ میں شاہ عبداللطیف، شاہ بہا ز قلندر اور چکل سرمت کے مزاروں پر جاتا ہے۔ لاہور میں مارچ کے آخر میں میلہ چراغاں دیکھتے جاتا ہے یا سندھ کے دوسرے علاقوں میں جاتا ہے تو زمانوں پلے، صوفیائے کرام کے کھے ہوئے خوبصورت الفاظ اس کے کانوں میں مانوسی نغمگی بکھرتے ہیں۔ اپنے عام فہم معانی و مطلب کی وجہ سے ان الفاظ کو ان پڑھ دیتی بھی سمجھ لیتا ہے اور دانشور ان کے گھرے فلسفے کی وجہ سے ان سے لطف انداز ہوتے ہیں۔

اکادمی ایجات پاکستان پورے اعتماد کے ساتھ انہی خوبصورت الفاظ کو ان سینکڑوں پڑھنے والوں کے لئے بھی پیش کر رہی ہے جو ان کی اصل زبان نہیں سمجھ سکتے۔ اسی اعتماد کے ساتھ ہم نے بہت سی ایسی تصنیفیں جن میں شاہ عبداللطیف بھٹائی کے شہر پارے (سندھی)۔ وارث شاہ کی حیر (ہنجابی)۔ خوشحال غانٹک (پشتو)۔ جام درک (بلوچی) کا اردو میں ترجمہ بھی شائع کیا۔ ہم نے ان میں سے کچھ شاعروں کے کلام کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ہے اور یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

میں اس موقع پر ان تمام احباب کا ملکوئر ہوں جنوں نے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ پسے افتخار عارف، اکادمی ادبیات پاکستان کے سابق ڈائریکٹر جزل، جن کی مگر انی میں یہ کام کامل ہوا۔ دوسرے راشد میں جنوں نے بے حد تحقیق کے بعد شعرا کے ترجم کو کمبا کر کے مرتب کیا، پروف خوانی کی اور دوسرے بست سے معاملات میں معاون ثابت ہوئے۔ میں خاص طور پر ان اصحاب کا ملکوئر ہوں جنوں نے انہی شہر پاروں کے ترجم دوسری زبانوں میں کیے ان کے نام متعلقہ زبانوں کے ترجمہ شدہ ایڈیشن میں دیے گئے ہیں۔ ہماری تمام کتابوں کی اشاعت اور طباعت میں طارق شاحد نے نمایاں کارکردگی انجام دی ہے، میں ان کی محنت اور گلن کو سراہتا ہوں ان کے علاوہ اور بھی بست سے خاموش کارکن ہیں جن کے تعاون کے بغیر کتاب کی بروقت اشاعت ممکن نہ تھی، میں ان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

فخر زمان

پاکستان کے صوفیائے کرام کی شاعری

پاکستان کی سر زمین اعلیٰ ادب و فلسفہ کی روایات کی حامل رہی ہے۔ اگر قبل اسلام کی تمام میراث جس میں مسکرات کے ماہرین حرف و نحو بے حد مشور ہیں، میلحدہ کر دیا جائے پھر بھی اسلام کے آنے کے بعد اتنا بہت کچھ موجود ہے جس کی قدر شناسی کرنا چاہئے۔ جدید دور سے قبل شاعری ہی خیالات کے الہام کا بہرا زریعہ تھی۔ یہ شاعری پنجابی، سرائیکی، پشتو، سندھی اور بلوچی میں موجود ہے اور مقامی اسلامی ادبی روایات کو سمجھنے اور جاننے کے لئے اسی کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اس شاعری کے سرسری جائزے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ یا تو مسلمان صوفیائے کرام نے تخلیق کی ہے۔ یا انہوں نے جوان کے خیالات اور نظریات سے بے حد متاثر تھے۔ لہذا پاکستان کی اس فلسفیانہ شاعری کے متعلق بات کرنے سے پہلے اسلامک صوفی ازم کی تاریخ کے ارتقاء پر نظر ڈالنی چاہئے۔

ابتدا۔ روایات کے مطابق آنحضرت صلعم کا اللہ سے استغراق بھی عارفانہ شعور کا حصہ تھا اور آپ نے حضرت علی ابن ابی طالب کو ان دفیت پوشیدہ مسائل سے آگاہ کیا۔ حضور صلعم کے ایک صحابی حضرت سلمان فارسی کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ایرانی صوفیائے کرام کے سلسلے کے بانی تھے۔ کچھ لوگ حضرت اولیس القرنی جو کہ یمن میں رہتے تھے اور آنحضرت کو دیکھنے بغیر ان کے دل و جان سے معتقد تھے، صوفی تصور کرتے ہیں اور انہیں بعد میں آنے والے صوفیائے کرام کے روحاں پیشوں سے سمجھتے ہیں۔ ان روایات کے ساتھ ساتھ ابو نعیم الاصفہانی کی کتاب "حکایات الاولیاء" میں بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں کا پہلا قابل تسلیم جداگانہ طرز زندگی اور دینی نظریات کا حامل گروہ جو کہ صوفیائے کرام کہلائے آنہوں صدی میں بصرہ اور کوفہ سے پھیلے۔

درویش۔ ابتدا کے درویشیانہ روایات کے حال صوفیاء میں حسن ابصیری۔ رابعہ الاولادیہ بصری۔ فضیل ابن ایاز۔ ابراہیم بن ادھم۔ ذوالنون المسری۔ ابو یزید البستامی۔ ابو القاسم الجنید بغدادی اور دوسرے صوفیاء شامل ہیں جن کے تذکرے فرید الدین عطار کی کتاب "تذکرہ الاولیاء" میں درج ہیں۔ ان میں سے بہت سوں نے حکمرانوں کے ظلم و ستم اور دوستندی کے خلاف مراجحت کی، غربت اور خلوت پر زور دیا۔ یہی وجہ ہے کہ عموماً انہوں نے سرکاری عمدے قبول کرنے سے انحراف کیا اور دنیا سے کنارہ کشی کے طرز زندگی کو اپنایا ہیں سے تصور اور صوفی ازم نے جنم لیا۔ داتا ٹنچ بخش، علی ہجویری کے مطابق تصور کی روح صفا (پاکیزگی) سے

حاصل کی جاتی ہے اور صوفی وہ ہے جو اپنے دل کو پاک و صاف رکھتا ہے۔

صوفیاے کرام کا مرکزی تصور فقر و رتوکل (توکل اللہ) ہے جس کا منطقی نتیجہ دنیا سے کنارہ کشی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ صوفیا، غربت اور تنگی میں مسرور ہے۔ خراساں کے ایک صوفی شفیق ابر کی نے فاقہ سے ظاہر ہونے والی تبلیغات کا ذکر کیا۔ علی ہجوری میں بھی حقیقی صوفیا کو پیوند لگے کپڑے پہننے کی تائید کی مگر یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر ایسے کپڑے اپنے آپ کو صوفی ظاہر کرنے اور لوگوں پر اپنا اثر ڈالنے کے لئے پہننے جائیں تو بیکار ہیں۔ کچھ صوفی تو ترک دنیا میں اتنے انتہا پسند ہوتے ہیں کہ مجرور ہنے کو ترجیح دیتے ہیں اور جب ان کا کوئی رشتہ دار مرتبہ تو خوش ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر عطار۔ فضیل ابن ایاز کے متعلق یہ روایت بیان کرتا ہے کہ ”تمیں سال سے فضیل کو کسی نے بننے ہوئے نہیں دیکھا مساوائے اس دن کے جب اس کا بیٹا مر اجب وہ مسکرا یا۔“ جناب یہ بہنے کا کونا موقع ہے؟“ کسی نے پوچھا۔ ”میں نے محوس کیا کہ خدا اس بات پر خوش تھا کہ میرا بیٹا مر جائے“ اس نے جواب دیا۔ ”میں خدا کی خوشنودی میں شامل ہونے کے لئے بنا“ یہ بات توکل کے انتہا کی توضیح سمجھی جاتی ہے مگر بہت سے صوفیاء دراصل بڑی خوشنودگی میں شامل گزارتے ہیں۔ بہر حال یہ نقطہ کہ شروع کی صوفیانہ روایات کے مطابق ترک لذات کا غالب تھا۔ ایسی ہی حکایات سے واضح ہوتی ہے۔

صوفی فرہنگ و قیاس۔ دوسرے خیالات جو صوفی ازم سے مسلک ہوئے ”عشق“ ان سب میں ممتاز تھا۔ صوفیوں کا عشق اللہ سے تھا اور وہ اس تک پہنچنے کے متنی تھے۔ پھر یہ فکر عام ہوئی کہ عام اور عقلی عالم کی بجائے وحدانی اور معرفت کی فہم اور سمجھ بوجھ رکھنا صوفی ازم کا مقصد ہے۔ حقیقت کی طرف راست صوفیانہ طریقت سے ہو کر جاتا ہے اس بات کو کچھ صوفیوں نے اسلامی قانون شریعت سے علیحدہ قرار دیا۔ کیوں کہ ان کا انظر یہ تھا کہ حقیقت تک پہنچنے کے لئے شریعت کو علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ ایک بڑا تصور یہ تھا کہ صوفی اپنی ذات کو خدا کی راہ میں فنا کر کے بقا کی منزل پالے۔ اور اس کے ساتھ ہی ”وحدت الوجود“ کا تصور بھی تھا جس کے مطابق خدا اور کائنات کو ایک وحدت سمجھا جاتا ہے۔

رفتہ رفتہ فرہنگ صوفی جو کہ محسن فید کاشانی کے ”رسالہ شواق“ میں درج ہے۔ ارتقا پذیر ہوئی۔ جو

اصطلاحات صوفیانہ شاعری میں زیادہ تر استعمال ہوئیں ان میں چند کی وضاحت یہاں کی جا رہی ہے۔

رخ (چہرہ۔ گال) = خدا و احسن کا انکشاف

زاف = خدا اور حسن کو چھپانے کا پردو۔ وہ خدا و احسن صورت جو انسان کو فریب دیتی ہے یا مسخر کرتی ہے۔

خال (تل) = حقیقی اتحاد کا پوشیدہ نقطہ

نہ (نہوڑی کے نیچے)	=	روحانی صورت میں حقیقت کا اعلان
لب (ہونٹ)	=	خدا کی زندگی دینے والی ملکیت
شراب	=	خدا کی طرف سے تباہ کرنے کے اکٹشاف پر
	=	وجد میں لانے والا تجربہ
ساقی (پیکان بروار)	=	حقیقت۔ جو اپنے آپ کو ہر صورت میں نمایاں
	=	کرنے سے پیار کرتی ہے۔ غزل میں نمایاں اشاروں ہتھی ہے۔
	=	جو مٹاٹی کو حقیقت کی تلاش میں مدد دیتے ہیں۔
بت (پتلا)	=	خدا کے ساپ بننے کی ایک شے۔
معشوق	=	خداوی حسن کا ایک اعلان۔
	=	اربیہی ۱۹۵۰ء سے مانوز)

چونکہ یہ اصطلاحات اسلامی تہذیب کی شاعری میں عام انسانی حوالے کی حامل ہیں اور اپنے اندر ابہام رکھتی ہیں اس لئے شاعری میں داٹنی سرور کا ذریعہ ہیں۔

صوفی سلسلہ کا ارتقاء۔ علی ہجویری کی کتاب "اکشاف المحبوب" کے مطابق تیار ہوئیں صدی میں صوفی ازم کے مکتب بارہ سے کم نہ تھے۔ جن میں سے ان کی رائے کے مطابق دو بدعتی تھے۔ شاید اس بہتات کی وجہ ہے وہ شریعت سے علیحدہ ہو گئے اور وحدت الوجود کے عقیدے کی طرف مائل ہو گئے۔ علی ہجویری اور ابو حامد محمد الغزالی دونوں نے اس مسئلہ پر دلائل دیئے جو اس نظریہ کو جھوٹا ثابت کرتے تھے۔ غزالی کی زبردست تصنیف "احیاء العلم الدین" نے مسلم دنیا پر بے حد اثر ڈالا بقول اے۔ جے۔ آریہری، کم از کم مقنی قسم کا صوفی ایزم بطور مسلم سائنس اور بطور بامعنی اور پر زور زندگی کا طریقہ تسلیم کیا گیا۔

تاریخ سے پہلے چلتا ہے کہ بار ہوئیں صدی میں صوفی سلسلہ قائم ہو گیا تھا۔ پہلا سلسلہ شیخ عبدالقادر جیلانی کا قادریہ سلسلہ تھا۔ یہ سلسلہ شیخ نعمت اللہ دکنی کے ساتھ جنوبی ہند پنجاب، سرحد اور کشمیر تک پھیل گیا۔ اس سلسلہ کے جو لوگ شریعت پر زور دیتے تھے نقشبندیہ سلسلہ کی طرف آگئے یعنی شیخ ابو الحنف محدث دہلوی کے پیرو کار۔ جبکہ دوسرا طبقہ چشتیہ اور سرور دیہ سلسلہ کے نزدیک ہو گیا۔

دوسرے برا سلسلہ سرور دیہ تھا۔ جس کا نام شیخ شاہ الدین عمر بن عبد اللہ السرور دی کے نام پر رکھا گیا۔ یہ سلسلہ تیرہ ہوئیں صدی میں ہندوستان میں آیا اور شیخ بہاؤ الدین ذکریا ملتانی نے اسے اس علاقے میں پھیلایا۔ جنوبی

ہند کے دوسرے موثر سلسلے چشتیہ اور نقشبندیہ ہیں۔ چشتیہ سلسلے کے بانی شیخ نعیم الدین چشتی ۱۱۹۳ء میں سیستان سے ولی پنچ اور اپنے جانشینوں میں قطب الدین بختیار کاکی اور فرید الدین شیخ شری جیسے صوفی پیدا کئے۔ آخری سلسلہ ”نقشبندیہ“ شیخ بہائو الدین نقشبندی نے قائم کیا۔ یہ سلسلہ ۱۲۰۰ میں نمایاں ہوا۔ شیخ احمد سرہندی (۱۱۲۳ء - ۱۵۶۳ء) جو وحدت الوجود کے مخالف تھے، اسی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اردو ادب میں اس سلسلہ کی اہمیت یہ تھی کہ مظہر جان جاناں اور خواجہ میر درد جیسے شعراً اسی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ (عمل ۱۹۷۵ء)

دوسرے صوفی سلسلے میں محدث مسند یہیں۔ (نور الدین احمد بن عبد اللہ الشدیلی - ۱۲۵۸ء - ۱۱۹۶ء) سعدیہ۔ رفاعیہ۔ بداؤیہ اور دیگر باقی مسلم دنیا میں پھیلے۔ مگر ان کے پیروکار بہت کم تھے۔ (آربری ۱۹۵۰ء - صفحہ ۹۲-۹۳)۔ کبراویہ سلسلہ سید علی ہدالی کے ساتھ کشمیر میں آیا اور ہندوستان میں شریہ سلسلہ کی بنیاد محمد غوث گوالیاری نے سولویں صدی میں ڈالی۔ ایک اور غیر معمولی بات یہ تھی کہ ہندوستان اور پاکستان میں بہت سے صوفی بے تعصباً اور تحمل مزاج تھے کہ شاہجہان بادشاہ کے بیٹے شرزاہ دوارا نے اتحاد کے خیالات پر عمل کیا اور بہت سے ایسے شاعروں اور نثر نگاروں میں گھر گیا جو کہ کٹر اسلام کے دائرے میں نہیں آتے تھے۔ (عمل ۱۹۷۵ء - ۳۶۲) یہ سب کس طرح وقوع پذیر ہوا اسے ہم بعد میں تفصیل سے دیکھیں گے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جنوبی ایشیاء کے صوفی ازم کی نمایاں خصوصیات ہی نے اسے ہر دلعزز بنایا۔ اس صوفی ازم کا ذریعہ اظہار شاعری تھا۔ جسے بر صیر کے گاؤں اور شریوں میں خشوع و خضوع کے ساتھ گایا جاتا تھا۔ جس کے نمونے اس کتاب میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ بہر حال پہلے ہمیں صوفی ازم کے قیاس کو شاعری کے حوالے سے سمجھنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

صوفیوں کے معنی خیز خیالات میں عشق بنیادی دینیت کا حامل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ بھرے کی رابعہ عداویہ نے اس تصویر کو روایج دیا۔ خیال یہ تھا کہ اللہ کی عبادت اس کے حکم کے مطابق کی جائے بلکہ اس سے اتنا عشق کیا جائے کہ کوئی کسی دوسرے کے ساتھ نہ کر سکے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے حسن بھری کے شادی کے پیغام پر انکار کر دیا تھا اور ان کا غذر یہ تھا کہ انہوں نے اپنی ذات کی نفی کر دی ہے اور وہ صرف خدا کے لئے زندہ ہیں۔ اور ان کی دعا تھی۔

”اے خدا۔ اگر میں جہنم کے ڈر سے تیری عبادت کروں تو مجھے جہنم میں جلا اور اگر میں تیری عبادت جنت کی امید میں کروں تو مجھے جنت سے محروم کر دے۔ لیکن اگر میں تیری عبادت محض تیرے لئے کروں تو اپنے پائیدار صن کی عنایت میں بخل نہ کرنا۔“

اگرچہ کچھ قانون دانوں (جیسے ابن الجوزی) نے دعویٰ کیا کہ لفظ ”عشق“ محبت جیسے مقدس جذبے کے لئے

ناموزوں ہے۔ دوسرے قانون دانوں اور فلسفیوں (جیسے ابن تیمیہ) نے دلیل دی کہ کسی ایسی ہستی کو پوچھنا جو محبت کے لائق نہ ہو، محبت کا مدعایاً مقصد نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور اس نظریہ پر قانونی منظوری کی مربھی ثابت کی۔ اسی بنا پر محبت صوفیانہ شاعری کی روح ہن گئی۔

معشوق (جس سے محبت کی جائے) - خدا کی تلاش کے ضمن میں صوفیاء کا نظریہ، جیسا کہ عم دیکھیں گے زیادہ تر رومانس کی روایات سے یا بے بدل جز بے کی بدلات واضح ہوتا ہے۔ ہندی شاعری میں بدرت عاشق تھی اور خدا معشوق۔ پنجاب کے صوفی کی شاعری میں 'صوفی خود یا روح ایک ایسی نوجوان لڑکی تھی، جس سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ ایسی چیزیں تیار کرے۔ جنہیں وہ اپنے خاوند (خدا) کے پاس لے جائے گی۔ کسی وقت بیر کا عاشق راجحہ۔ خدا کے نمونے کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ وارث شاہ کی بیان کردہ اس داستان میں خصوصی انداز سے راجحے کو ایک جسم اور ہیر کو روح کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

ابتدائی صوفی شاعری میں (جیسے کہ رابعہ اور زولنون مصری کی شاعری) محبت کی علامت کو صاف دلی سے محبت کے مجھے کے طور پر پوشیدہ مطلب کے انمار کے لئے استعمال کرتے تھے۔ (Arberry ۱۹۹۰ء۔ ۶۱۔ ۶۳) ابن العربی نے بھی محبت کی زبان استعمال کی اور اس کے مطابق خدا کا پرتو ایک نوجوان خوبصورت لڑکی ہے۔ جبکہ فارسی شاعری میں معشوق کا تصور ایک خوبصورت لڑکا ہے۔ لہذا غزل میں مذکور عاشق اور معشوق دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اور اکثر مغربی قارئین کے لئے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ یہ روایت جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے۔ صوفیانہ نظریہ کی ترویج کے باعث وقوع پذیر ہوئی۔ بہر حال یہ درست ہے کہ اسلامی معاشرے میں ایسا نہیں تھا اور خوبصورت لڑکے جو عورتوں کی نسبت زیادہ نمایاں تھے، عورتوں کے قائم مقام کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ ابن العربی، بشمول دگر، دعوی کرتا ہے کہ مرد خدا سے مشاہست رکھتے ہیں لہذا ان سے محبت کرنا چاہنے۔ مگر عورتیں اور لڑکے مردوں کی طرح نہیں لہذا ایک لڑکا یا عورت صرف دینوی یا ناکمل عشق کے لئے ہو سکتے ہیں۔ جبکہ خدا ہی واحد اور سچا محبوب ہو سکتا ہے۔ (Bailey ۱۹۷۹ء۔ ۱۱۱) کیوں کہ لڑکے درحقیقت لمحانے اور عورت کی جگہ بد نفی کا ذریعہ سمجھے جاتے تھے لہذا ان پر نظر؛ اتنا یا تو منوع قرار دے دیا گیا یا اس کی حوصلہ ملنی کی گئی (اس مضمون پر کم عمر طلباء کے متعلق دیوبند کے مدرسے کا حکم ملاحظہ فرمائیے۔ (ظہیر الدین ۲۹۶۵) بہر حال ایک حقیقی صوفی کے نزدیک ایک خوبصورت آدمی، خدا کی نکمل خوبصورتی کی شاداد ہے اور نفسانیت سے زیادہ روحانی بچاؤ کی طرف لے جا سکتا ہے۔ اس لئے حقیقی صوفیانہ شاعری باوجود اپنے محبت کے مجھے کے نفسانی خواہشات کی بجائے محبت کے تصور، دیانت داری اور ثابت تدبی کی تبلیغ کرتی نظر آتی ہے۔

غزل میں محبت۔ اگرچہ اس کتاب میں چند غزلیں بھی شامل ہیں جو کہ اس نوعیت کی ہیں جو فارسی اور اردو ادب میں عام ہیں منظوم عشق صوفیوں کے روایتی عشق کے نزدیک تر ہے۔ جیسا کہ کہا گیا اردو میں غزل زیادہ تر دنیوی ہوتی گئی اور خوب جانی پہچانی گئی اس کا ترجمہ بھی اکثر کیا جاتا ہے اور اس کا ذکر سرسری طور پر ہی فائدہ مند ہو سکتا ہے (برائے تاریخ دیکھئے صادق۔ ۱۹۸۳، زیدی ۱۹۹۳)

غزل کی محبوبہ پسلے سے قائم شدہ روایات یعنی عاشق کی بے یار و مدد گاری۔ محبوبہ کی عدم توجیہی۔ تمونِ مزاجی اور ظلم۔ دصل سے زیادہ بھرا اور افسرہ بی وغیرہ کے حوالے سے واضح ہوتی ہے۔ اس طرح غزل میں ایک حسرت شامل ہے جو کسی حد تک جدید غزل کی جاریت کی ہے اپر کم کر دی گئی ہے۔ مگر یورپ کی جدید شاعری میں استعارہ، غزل کی طرح، روایات سے ملک نہیں۔ روایتی مثالیں دو سطھوں پر کام کرتی ہیں۔ ایک تو صوفیانہ فلسفہ دوسرے دنیاوی زندگی۔ اول الذکر میں شراب روحاںی بدایت ہے جبکہ آخر الذکر میں اکھلی شرودب ہے۔ پسلے میں محبوب خدا ہے دوسرے میں خورت یا لذکار۔ لیکن اردو غزل کے معاملے میں (منظر جان جانا اور میر درود کی تخلیقات کو چھوڑ کر) صوفیانہ تضییح جاندار ہے۔ اردو غزل میں شاعر زمینی محبت لکھتا ہے لیکن چونکہ اس نے بست سے صوفیانہ الناظر دنیاوی نظریہ سے لئے ہیں للذاد بعض مقامات پر خدا کی صوفیانہ تلاش کے متعلق سوچتا نظر آتا ہے۔ اسی لئے اردو غزل میں محبت کا تذکرہ انتہائی محور کن ہوتا ہے۔

محبوب۔ غیر ممکن الحصول ہے بے وہ شاعر کا دل۔ بخیاتی اعتبار سے؛ اکہ ڈال کر یا لز بھڑکر حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن حقیقت میں شاعر چاہتا ہے کہ اس کا دل لے لیا جائے اکہ وہ مظلوم ہن جائے۔ جیسا کہ فارسی کے شاعر حافظ نے کہا ہے۔

اگر آں ترک شیرازی بدست آردو دل مارا
بے خال نبدوش بخشہ سر قند و بخارا را

ترجمہ: اگر وہ شیرازی ترک میرا دل باتھوں میں لے لے تو میں اس کے رخسار کے قل پر اسے سر قند اور بخارا کے شہر دے دوں۔

شاعری میں محبوب کی نظریں تیر کی طرح ہوتی ہیں۔

ناؤک انداز جدھر دیدہ جانا ہوں گے
نیم بدل کنی ہوں گے کنی بے جا ہوں گے

(مومن)

ترجس: میرے محبوب کی نظروں کے تیر جدھر چیں گے بست سے زندگی ہو جائیں گے اور بست سے مر جائیں گے۔ عاشق محبوب کے ظلم برداشت کرتا ہے کیونکہ صوفیانہ روایات میں درحقیقت یہ ظلم نہیں ہوتا۔ خدا انسان سے اس کے زندہ رہنے تک بے غرض رہتا ہے۔ جیسا کہ عبد اللطیف بھٹائی کہتے ہیں۔

او خبر۔ تیز مت ہو کنہ رہ

تکہ تو محبوب کے ہاتھ میں دیر تک رہے (شاہ جو رساں)

اور غزل میں اس کو اس طرح کہا ہے۔

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ی نہیں
سم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ی نہیں
اقبال

محبوب کی عدم توجیہ اور بے اختیاری شاعروں کے تجربات کا حصہ ہیں۔ یوپی میں جماں مردا اور عورت کی دنیا قطعی علیحدہ علیحدہ تھی یہیں اردو غزل نے نشوونما پائی۔ جو سب کچھ تخلیق میں پوشیدہ طور پر ہوتا ہو۔ مگر کسی پرده نہیں عورت سے محبت کا تذکرہ ملی الاعلان نہیں کیا جا سکتا تھا۔ غزل کا روایتی تخلیل، شاعر کو اس کے اصل تجربے کو پوشیدہ رکھنے پر مجبور کرتا تھا۔ کیونکہ زیادہ تر محبوب ایسیں درباری رقصائیں ہوتی تھیں اور وہ مفکروں کے فن سے واقف تھیں اور شاعری کو سمجھتی تھیں۔ ان کے علاوہ لڑکے بھی ہوتے تھے جیسا کہ بست سی سوانح میں تمام عورتوں میں پرده نہیں عورت۔ طوائف۔ لڑکا یا محبوب عموماً یا کم از کم بے غرض، ملکوں مزاج اور بے وفا ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا صوفی روایات کے مطابق بے بد محبت غزل کا ایک ضروری حصہ تھی۔ لیکن غزل گواں میں کچھ دوسرے رنگ روپ شامل کر دیتے تھے۔ مثال کے طور پر ریت کے لئے حد و بیں ہے جماں وہ شاعر سے زیادہ محبوب کی تربت سے اطف اندوز ہوتا ہے۔

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہئے غیر سے تھی
من کے ستم تریف نے مجھ کو انھا دیا کہ یوں
(غالب)

اگر محبوب شاعر مریان بھی ہے تب بھی وہ ملکوں کو رہتا ہے۔

صحت میں غیر کے نہ پڑی ہو کیس یہ خو

دینے لگا ہے بوسے بغیر التجا کے

(غالب)

اور بیش روپ بیانی رہتی کہ وہ مے نوشی کے بعد غیر کے ہاں رک جائے گی۔

رات کے وقت سے پہلے ساتھ رقب کو لئے

آئے وہ یوں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں

(غالب)

غالب کی شاعری میں ہمیں دربان کا تذکرہ بھی ملتا ہے جو کہ شاعر کو اس کی محبوبہ کے گھر میں داخل تک نہیں ہونے دیتا

گُدا سمجھ کے وہ چپ تھا، مری جو شامت آئی

انہا اور انہ کے قدم میں نے پاساں کے لئے

(غالب)

لکھنؤ کی شاعری میں اخبار مشق زیادہ مکلا ہے اور محبوبہ بہ احتیاز ایک عورت ہے۔ اگرچہ اس کے لئے مذکرا میں غیر اب بھی استعمال ہوتا ہے۔ بہر حال اب ایک بڑی فلسفیانہ تبدیلی آچکی ہے۔ ابتدائی صوفی شاعری انگریزی خواہش کو ظاہر کرتی ہے۔ خدا کو پالینے کی خواہش۔ ایسی خواہش جو سرف اسی تصور سے آسکتی تھی جو کہ وہ سرے لوگوں سے حقیقی طور پر مختلف تھا۔ یہی نکات رہنمایت بن گئے اور انہوں نے ایک رواج اور راست لاختہادی کو پھیالایا ہے۔ اقبال اور فیض نے بعد میں عروج دیا۔

شاعری میں داستانیں صوفیانے بیش غزل ہی نہیں لکھی بلکہ انہوں نے پاکستان کی متنازعی

اسناف میں شاعری کی۔ اس میں بھی مرکزی تصور محبت ہی تھا۔ اس موضوع پر شاعری بذات خود ایک صوفیانہ تحریر ہے

تھا بلکہ جس تجھیں میں اس کا اظہار کیا گیا وہ اس صوفی ازم سے ہی ایسا گیا جو بارہوں اور چوتھویں صدی کے درمیان

پڑھاں چہ حابہ دنیا میں محبت سے وصال اور فراق ان منظوم داستانوں اور غزلوں میں عام ملتا ہے۔ نکتہ یہ ہے کہ جب

تک محبت کرنے والا زندہ ہے وہ خدا سے جدا ہے اور موت ہی اسے خدا کے مزدیکیک لاسکتی ہے۔ اس لئے صوفی

موت و خوش آمدیہ کہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لفظ "عرس" جس کے لفظی معنی شادی کے ہیں، صوفیانے کرام کی برسی کے

لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح تمام عشقی داستانیں شیریں فرحاو۔ سی پتوں، مرزا صاحب، سوئی مائینوال، ہیر

رانجنا، شاہ مراد ہانی وغیرہ صوفی شاعروں نے خدا سے ملاپ کے سلسلہ میں بیان کیں۔

ان تمام تصویں میں محب اور محبوب دنیا میں مستقل ملأپ نہیں کر پاتے اور وہ ہمیشہ ہبھریں جتکا رہتے ہیں اور اگر انہیں وصال نصیب ہمیں ہوتا ہے تو وہ ناکمل اور غیر مطمئن ہوتا ہے۔ اس ملأپ کا جنسی ملأپ سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اس خیال سے کہ دنیا سرست کامل کی اجازت نہیں دے گی۔ پشتو صوفی شاعر جہان بابا نے کہا ہے۔

ترجمہ: اگر میرا محبوب تمام عمر میری گود میں بیٹھ رہے پھر بھی میں اس نئی جہالت کے فلم میں ہاتم کروں گا۔

دوسرانقطہ یہ ہے کہ محبوب کے لئے فطری جذبے کا بیجان غیر معمولی ہوتا ہے۔ یہ حقیقی نہیں رومانی ہوتا ہے۔ عام لوگوں کی زندگی میں محبت کرنا بہتر یعنی نہیں بلکہ دععتاً ہوتا ہے۔ اس جذبے کا کسی انسان یا لمحے میں ظاہر ہونا فطرت کا انکشاف ہے جو کہ ایک یونانی تصور ہے۔ خواجہ میر درد نے اس تجھیل کو اس طرح بیان کیا

ہے۔

دکھائی دئے یوں کہ نبیود کیا
ہمیں آپ سے بھی جدا کر گئے
(درد)

ترجمہ: میرا محبوب یوں سامنے آیا کہ مجھے خود سے بھی بے خود کر گیا
مجھے مجھ سے جدا کرنا۔ خود بیگانی۔ خود کو فاکر نہیں کے مترادف ہے کیونکہ محبوب تک پہنچنے کا راستہ خود کو
انھی کرنے یعنی خود کو فاکرنے میں ہے۔ بلوق صوفی شاعر طوق علی مست ایک طوفان میں "سمو" کو دیکھتا ہے اور اس
سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ کچھ صوفی شاعر کسی چمکتے دکھنے محبوب کے ساتھ فرار ہونے کے خیال کا انہمار بھی کرتے
ہیں۔ روحانی خوبصورتی سے متعلق امیر خرو کے اظہر یہ پرہمی چند لائیں۔

نی دا نم که منزل بود شب جائے کہ من بودم
بسر سو رقص بدل بود شب جائے کہ من بودم
نگار لالہ روئے سروقد شعلہ رخسار
ہت آفت دل بود شب جائے کہ من بودم

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکان "خرو"
محمد شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

ترجمہ: میں نہیں جانتا وہ کون سی جگہ ہے جہاں کل رات میں تھا۔ ہر طرف نہم جاں لوگوں کا رقص برپا تھا

جہاں کل رات میں تھا۔ وہاں خوبصورت لالہ جیسے چہرے سرو قد اور ہلکتے رخساروں والا محبوب تھا۔ جو مکمل طور پر میرے دل کے لئے آفت تھا۔ جہاں کل رات میں تھا۔ امامکار میں خدا خود میر مجلس تھا اور محمدؐ اس میں شمع محفل تھے۔ جہاں کل رات میں تھا۔

عشق کی فطرت عام نہیں ہوتی یہ اتنی ہدہ گیر ہوتی ہے کہ عاشق کو دنیا و مانیہ سے بے خبر کر دیتی ہے۔ سماجی پیشوائی اس ضمن بیکار ہے۔ ”بلیے شاہ“ ایک کسان آرائیں کے مرید ہوئے۔ ہیر کا عاشق راجھا کاما اور بھینسوں کا راکھا بنا۔ ایک حاکم جام تماپی نے ایک پھیسری نوری کو اپنی ملکہ بنایا۔ بزرگان دین کے قصور میں لکھا ہے کہ شزادہ پنوں سسی کے لئے دھوپی بنا۔ ماینواں نے سو ہنچی کے لئے اپنی ران کے گوشت کے کتاب بنائے۔ بلوچی شاعر میر درک کہتا ہے کہ وہ اپنی محبوبہ کے لئے اپنی ”میر“ کی قیامتاً کرہاتھ میں سکھول ۱ لے گا۔

اس طرح دنیائی حکمت، روایتی ضابطہ اخلاق اور قانونی علم ماند پڑ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محبت کرنے والے (سوہنی، ماینواں وغیرہ) شادی سے پہلے ملٹے ہیں اور اگر کسی ایک کی شادی ددسری جگہ ہو جائے (جیسے ہیر) تب بھی آپس میں ملٹے ہیں اور ناجائز تعلقات کے باوجود صوفی عاشق ہی کی حمایت کرتے ہیں۔ لہذا سرکردہ صوفیائے کرام خواجہ حضرت بابا فردہ شکرگنج۔ بہاؤ الدین ذکریا۔ سید جلال بخاری اور لعل شہزاد قلندر نے راجھے کی حمایت کی۔ جب قاضی نے ہیر کو، جو کہ راجھا کے ساتھ فرار ہو گئی تھی، اس کے شوہر کھیڑا کے حوالے کیا گیا۔ تو راجھا نے اس حکمران کو لعنت ملالت کی جس کی حکمرانی میں یہ واقعہ ہوا۔ ایک ہنگامہ بچ گیا۔ دارث شاہ کتے ہیں۔ لوگوں و یکھیا فتیر دعاویٰ، پھر کھیڑاں نوں کردھا ضبط بادشاہیاں نوں

با گمراہ تندے چلو ہوو حاضر کھرے پھریوں دیکھ لے کائیاں نوں

دارث صوم صلوٰۃ دی چوری کپے انسارا دی ایماں دیاں پچاہیاں نوں
ترجس: لوگوں نے کہا فتیر نہیں برا بھلا کہا ہے اور بادشاہ نے فوراً اپنے ساچی بھیج دیے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ کھیڑوں کو گرفتار کر کے یہاں لاوہ بادشاہ کا حکم نہیں جانتے تھے۔ کھیڑے اپنے کروتوں کی ہنا پر پکڑے گئے۔
دارث شاہ عبادت ایسے بد کرواروں کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔

عارف۔ ہم نے دیکھا کہ اخلاقی قانون صوفیانہ شاعری میں یہی محفوظ ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ حقیقتاً محفوظ نہیں ہوتا کیونکہ صوفی ایک اور اونچے اخلاقی عمل کی پرروی کر رہا ہوتا ہے جس سے وہ صرف حاصل کرتا ہے۔ ذوالنون نے اس ضمن میں معرفت کے قیاس کو روشناس کرایا (خدا کا وجد اپنی علم)، جس کی تشریع کچھ اس طرح ہے۔

وہہ ان بغیر علم۔ بغیر نظر۔ بغیر اطلاع۔ بغیر مشاہدہ۔ بغیر تشریع۔ بغیر قتاب اور قتاب ڈالے دیکھتا ہے۔ وہ خود

کچھ نہیں ہوتے اور جہاں تک ان کا وجود ہے۔ وہ خدا میں ضم رہتے ہیں۔

عارف اس عالم سے خلف ہوتا ہے۔ جو کتابی علم کا مہر ہوتا ہے۔ مگر خدا کی صحیح علیت نہیں رکھتا۔ بعد کی صوفی شاعری کے مطابق علم فہم اور اک سے حاصل نہیں ہوتا۔ جیسے بلیے شاہ کتے ہیں۔

علمون بس کریں اویار

اکو الف تیرے در کار

ترجمہ: دوست علم کو روک دینا چاہئے۔ نجات کے لئے صرف ایک الف در کار ہے

فنا۔ ایک اور تصور جو بعد میں ایک دائیٰ موضوع بنا، وہ فنا تھا۔ اس کے متعلق سب سے پہلے شاید ابو بکر الخرض نے لکھا (Arberry 1937, Nayla 1970, 240) (D. 894)۔ بعد میں فاتحین درجنوں میں تقسیم کی گئی۔ پہلا درجہ فنا فی الشیخ تھا۔ یعنی اپنے مرشد کی شخصیت میں خود کو فنا کر دینا۔ دوسرا درجہ فنا فی الرسول یعنی محمد رسول اللہ صلیم کی روح میں فنا ہو جانا۔ اور آخری درجہ تھا فنا فی الحق یعنی خدا کی ذات میں فنا ہو جانا۔ انہی خیالات کی وجہ سے پہلہ مرشد اور رسول اکرم کی انتہائی تنظیم و حکمیم پیدا ہوئی جو کہ بعد میں مزید مضبوط ہوئی۔ راجح الاعتقاد علماء جوان خیالات میں پر جوش فہم اور اک اور ذاتی عقائد کے حامل ہیں، دونوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ حقیقتاً ان میں سے ایک الزام، عین القدت الحمدانی پر تھا، جو ایک زمین انسان اور صوفی تھا، کیونکہ وہ ایک مرشد (شیخ) کی نذر درت کو زیادہ اہمیت دیتا تھا۔ ہدائی نے کہا کہ صوفی جنہوں نے حقیقت کو عیاں کیا اس بات پر تحقیق ہیں کہ جس کا مرشد نہیں وہ بے دین ہے۔ (ہدائی ۳۲-۳۳) لیکن ہدائی کو قتل کر دیا گیا۔ راجح العتیدہ لوک اب بھی درویشوں اور پیروں کی قبروں کی تنظیم و حکمیم کرنے والے عام آدمیوں کو مجرم نہ رہتے ہیں۔ اسی طرح دیوبندیوں اور برٹلیوں میں آنحضرت صلیم کی تنظیم و حکمیم کے اس مسئلہ پر جھکڑا ہے کہ تو قیر پرستش تک نہ پہنچ جائے۔ اپنے آپ کو محبوب کی ذات میں گم کرنے اور اپنی خودی کو ختم کرنے کا خیال اکثر صوفیانہ شاعری میں نظر آتا مندرجہ ذیل مثال عام ہے۔

پنوں پنوں کتے ہیں میں خود پنوں ہوئی

دوستوں میں غافل رہی کیونکہ خود کو نہ پاسکی

”بلیے شاہ“ اسی بات کو ہیر کی زبان میں کہتے ہیں

را نجھن، را نجھن کر دی نی میں آپ را نجھن ہوئی

سد و سینوں دھید و راجھا۔ ہیر نہ آکھو کوئی

ترجمہ: راجھا، راجھا کتے ہوئے میں خودی راجھا ہو گئی مجھے راجھا کو کوئی بھی مجھے ہیر نہ کئے

خدا کی ذات میں گم ہونے کے اس خیال سے نزدیک ہونے کا مطلب اس سے جدانہ ہونے کا خیال ہے اور یہ اصول "وحدت الوجود" سے ملک ہے۔

وحدت الوجود۔ فارسی کا صوفیانہ کلام اور ہندوستان کی مقامی زبانیں انہی خیالات سے متاثر ہیں، جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن ایک تصور جوان خیالات پر غالب ہے وہ وحدت الوجود کا اصول ہے، جسے مجھی الدین ابن عربی نے دیا۔ جو ۱۶۵۱ء میں پہنچنے میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۰۱ء میں وہ مکہ کی زیارت کو گئے اور ایک ایرانی بوڑھی کے عشق میں بنتا ہو گئے۔ جس کے متعلق انہوں نے ترجمان الاسواق لکھا (نکشن ۱۹۱۱ء)، انہوں نے "الفتوحات المکیہ" اور "فصول الحکم" بھی لکھے جن میں اپنے اپنے اصول بیان کیے ہیں۔

وحدت الوجود کی اصطلاح عموماً یہ کہ جان "ہونے کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ لیکن بقول اپنے میری شمل کہ وجود میں اور اس کے شعور کا عمل آسان نہیں۔ وہ آگے کہتی ہے اس کا مطلب ہے کہ مظاہر پرستی اور اونیں میسکن کے اصول "وحدت الوجود" کو بدلتا ہو گا کیونکہ وحدت الوجود کا قیاس خدا اور مخلوق میں محکم تسلی نہیں رکھتا۔ (شمس ۲۶۷-۱۹۷۵ء) اہن مرتبی کا جو بھی مطلب ہو بعد کے بہت سے صوفیاً کرام نے اس کا یہ مطلب لیا کہ حقیقت صرف خدا کے وجود میں ہے۔ اس کے بعد تصور نے ایرانی عقیدے "ہمہ اوست" (صرف خدا ہے) کی طرف رہنمائی کی۔ اگر اس کی حقیقی معنوں میں تشریح کی جائے تو عقیدت مند اور منکر میں، مقصوم اور مجرم میں اور خالق مخلوق میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ یہ خیال بدل کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ یہ عقیدہ کہ انسانی اور خدائی فطرت کیجا ہو سکتے ہیں یا ایک مجسم بدل اختیار کر سکتے ہیں "بدل" راخن الاعتقادی کے لئے ایسا خطہ تھا کہ معروف علماء بلکہ علی ہجوری یہی صوفیا نے بھی اسے مسترد کر دیا۔ ایک صوفی جس نے اس صوفیانہ تصور کی شدید تمایت کی وہ ابوالمغیث الحسین اہن منصور الحکان تھا۔ اس نے کہا "انا الحق" (میں حق ہوں) یا جیسا اس پر الزام لگانے والوں نے سمجھا "میں خدا ہوں" بقول عطار "کہو وہ حق ہے"۔ وہ اس پر چلائے۔ "بان! وہی سب کچھ ہے" اس نے جواب دیا تم کہتے ہو وہ کھو گیا ہے۔ دراصل یہ حسین ہے جو کھو گیا ہے۔ سمندر غائب نہیں ہوتا یا کم نہیں ہوتا (عطار سرسر ۲۶۷-۱۳۷۱ء) اس بات پر اسے بلاک کر دیا گیا اور اس کی بلاکت کا منظر تحریر ہوں میں جا بجا نظر آنے لگا۔ انگریزی ترجمے میں بھی پلینو کی موت (The Apology) اور سرتحامس مور کی موت لکھی گئی۔

"تم کیا کہتے ہو؟" اس کے پیر و کاروں کے ایک گروپ نے پوچھا۔ "ہمارے متعلق ہم جو تمہارے عقیدت مند ہیں اور وہ جنہوں نے تمہیں مجرم گردانا اور تمہیں پتھر ماریں گے۔"

"انیں دگنا اجر ملے گا اور تمہیں واحد" اس نے جواب دیا تم صرف میری بھلائی سوچتے ہو۔ وہ ایسے خدا کی عقیدت سے سرشار ہیں، بختنی سے اس قانون کی بقا کے لئے "پھر تمام تماش مینوں نے پھرمارنے شروع کر دیے۔ شبلی نے تصدیق کے لئے ایک ڈھیلہ مارا۔ حالانکہ آہ بھری۔

"تم نے اس وقت نہندی سانس نہیں بھری جب تمہیں پھرمارے جا رہے تھے پھر ایک ڈھیلے پر کیوں آہ بھری" انہوں نے پوچھا۔ "کیونکہ جو پھرمار رہے تھے انیں نہیں معلوم تھا وہ کیا کر رہے تھے۔ ان کے پاس ایک بہانہ تھا۔ اس کی (شبلی) کی طرف سے مجھے تکلیف پہنچی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اسے مجھ پر پھر نہیں پھینکنا چاہئے تھا۔ (عطار سر سارہ ۲۶۹-۲۷۳)

میری شمل کے مطابق ایران میں حالاج بعد ازاں جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کی شاعری میں منصور یا شاہ منصور کہا یا اور پچھے عاشق کا نشان بنا۔ اس راست گوئی کے بر عکس ہے۔

"انہوں نے پھانسی کے پہنچے اور محبت کرنے والے کی بد قدمتی کے متعلق اشارے کئائے میں بات کی اور بعض دفعہ منصور کی بھانسی کی رسی کو اس کی محبوبہ کی زلفوں سے تشبیہہ دی۔ انہوں نے "حالاج" کی پھانسی کے درخت کی ہر شاخ پر سرخ گلاب دیکھا اور انہوں نے زرے اور پانی کے ہر قطرے سے "اٹا ٹھن" کے الفاظ عیاں پائے۔"

یہ ایک ایسی معروف روایت ہے جسے فیض احمد فیض، ایک پاکستانی شاعر نے نظام کی حکوم عدولی کے طور پر مثال بنا یا۔ مثالیں سینکڑوں میں گمراہی کافی ہے۔ پنجابی میں راما لاج و نتی کر شنا نے اسے 'بلجھے شاہ' سے منسوب کیا ہے۔

شرع کے شاہ منصور نوں سوئی اتے چڑھایا سی
مشق کے تساں چنگا کیتا بوئے یار دے واڑیا سی۔

بڑھدہ: شریعت کہتی ہے ہم نے شاہ منصور کو سوئی یہ چڑھایا مشق کہتا ہے تم نے اچھا کیا تم نے اسے یار کے، روادے میں، اٹھ کر، یا عیمر مقلد عقیدہ۔ ایک اور تصور جو صوفیوں کے "ملامتیہ" مسلک سے پروان چڑھا۔ ایک ظاہر شریعت پر نہ عمل کرنا ہے۔ ایسے صوفی قصدا اپنے اوپر ملامہ چڑھا لیتے ہیں تاکہ لوگ اپنے عقائد کی بنا پر ان کی تنظیم نہ کرنے لگیں (Spale 1965) عبد الرحمن جائی کے مطابق یہ روایہ اخلاص سے آتا ہے۔ جب یہ محسوس کیا گیا کہ اصل اخلاص پارسائی کے مظاہرے یا دکھاوے سے متفاہ تھا۔ تو جائی کہتا ہے۔ ایک ملامتی صوفی ایک شہ

میں داخل ہوتا ہے، جہاں ایک جم غیر اے خوش آمدید کرتا ہے، لیکن وہ سڑک پر سب کے سامنے غیر مناسب طریقے سے پیش اب کرنے لگتا ہے تاکہ سب لوگ اے چھوڑ دیں اور اس کے اوپرے روحانی درجہ پر آئندہ یقین نہ کریں۔ (Uam Circa sc) اگرچہ اصل ملامتی صوفی نے شریعت کو نہیں چھوڑا ہوتا اور باوجود اظہار کے بستے لوگوں نے اس سے روگردانی کی اور بے شرع صوفی کھلائے۔ دوسرے جنوں نے اس سے روگردانی کی، یا لاتعلق رہے، شریعت نے انہیں طریقہ اختیار کرنے کو کہا جو کہ حقیقتاً "خود درویشان را ہے۔

سجادہ صوفی نے کسی بے شرع عمل کی طرفداری نہیں کی، لیکن دوسرے عمل ساع اور انتہائی خوشی میں وجدانہ رقص موجود تھے۔ "جال الدین روی" نے رقص کرتے ہوئے درویشوں کے طریقے کو اپنادستور بنایا۔ ساع انہیں بت عزیز تھا بست سے شراء کو جن کے متعلق ہم پڑھیں گے، ملامتی روایت اور طریقیت اور معرفت پر زور کی ایک وجہ صوفی شراء پر علماء اور مولوی کی طامست تھی۔ یہی بالآخر روحانی کی اور غیر استقلالی تعصباً کا نشان بن گئی لہذا جنوبی ایشیاء کے

مسلمان شاعروں اور فارسی کے شاعروں نے بھی مولوی کو مسترد کر دیا یہاں تک کہ بابا فرید جیسے

شریعت کے کڑپا بند نے بھی کہا

ساری	پتھری	دی	فرید	ریت
رعہندا	صوم	صلواۃ	تون	رہندا
رندی	مشہور	مشرب	ہے	مشرب

ترجمہ: فرید کے طریقے اکٹے سیدھے ہیں نہ وہ روزہ رکھتا ہے نہ نماز پڑھتا ہے۔ اس کی می پرستی بدنام ہے

لیکن اس قسم کے دعوے یقیناً درست نہیں کہ جا سکتے کیونکہ بابا فرید مذہبی طریقوں کے پابند تھے۔ انہوں نے یہ بتایا کہ صحیح روحانیت رسم کی بجا آوری سے بالاتر ہے۔

بھائے	نہ	واعظ	نہ	ملوانے
بیٹک	ساؤا	دین	ایمان	ایس
ابن	دا			دستور

ترجمہ: ہمیں مولویوں کا وعظ نہیں بھاتا بیٹک ہمارا دین اور ایمان ابن العربی کی یادوی ہے
صوفی مذہب کی ظاہری صورت سے لاتعلق نظر آتا ہے وہ مذہب اور نسلی پہچان کو مسترد کرتا ہے۔
بلے شاہ، چل سرمت، شاہ لطیف، شاہ حسین سب نے احتجاج کیا کہ نہ وہ ہندو ہیں نہ مسلمان نہ شیعہ
ہیں نہ سی۔ سلطان باہو صوفیاء کے متعلق کہتے ہیں۔

نا او ہندو نا او مومن نہ مسجدہ دین مسیتی ہو
دم دم دے وچ ویکھاں مولا بمناں جان قضا نہ کیتی ہو

ترجمہ: نہ وہ ہندو نہ مسلمان نہ انہوں نے مسجد میں مسجدہ کیا۔ وہ ہر سانس میں خدا کو دیکھتے ہیں اور کبھی
صوفیاء نہ رہ ہو نہیں چھوڑتے۔
درود اردو میں کہتا ہے

دیر تھا، کعبہ تھا یا بت خانہ تھا
ہم تو سب تو مہمان تھے واں تو ہی صاحب خانہ تھا

ترجمہ: وہ مذہبی مدرسہ تھا کعبہ تھا یا بت خانہ تھا ہم سب وہاں مہمان تھے اور تو ہی میزبان تھا۔
اور چل سرمت چنگی میں کہتے ہیں۔

بیس دل پیتا عشق دا جام ساول مت الست مام
دین مذہب رہنے کتھے۔ کفر کھاں اسلام

ترجمہ: وہ جن کے دلوں نے محبت کا جام پیا ہے ان کا دل بیشہ سرشار رہتا ہے نہ عقیدہ رہتا ہے نہ
مذہب نہ اسلام اور نہ کفر
میر نے یہی بات سرکش طور پر کہی ہے

میر کے دین و مذہب کو پوچھتے کیا ہو انسے تو
فتشہ کھینچا دیر میں بینا کب کا ترک اسلام کیا
انی خیالات کے ساتھ ساتھ شراب کی تعریف اور مولوی کی مزمت چلتی رہی، جسے صوفیانہ علم

الاصل طلاق کی روشنی میں عارفانہ علم کی جستجو کی ترجیحی کما جا سکتا ہے۔ جیسا کہ سو زکرta ہے۔

اہل ایمان سو ز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا

آہ یا رب راز دل ان پر بھی ظاہر ہو گیا

اس قسم کی زبان بعد میں لادیں، جدت پسند غیر پادریانہ جمعت کے لئے استعمال کی گئی لیکن اسے صوفیانہ کلام نہیں کما جا سکتا۔ مولوی کی تفحیک یا مذہبی عقیدے کی پابندی گھرے روحانی اصولوں اور محض لادینی یا جدت پسند مادہ پرستی کی وجہ سے ظاہری طور پر ارکان عبادت کی بجا آوری ایک مختلف معاملہ ہے غیر پادریانہ روایت کا محاورہ صوفیوں سے مستعار لیا گیا ہے لیکن یہ غزل میں دیناوی مقاصد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ غیر پادریانہ طرز تحریر گھری مذہب پرستی اور ارکان عبادت کی بجا آوری کو چھپا سکتی ہے۔ میر درد کے نزدیک صوفی کا تخلیل ایک خلص اور مکمل موسمن بننا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ خود بقا کی طرف مائل کیے گئے جبکہ خدائی قانون ان پر صوفیانہ جذبات کے درجات سے کھولا گیا۔ (درد ۹۳۔ ۱۸۹۲)

ان تمام قیود کے باوجود یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ کم از کم جنوبی ایشیائی زبانوں میں سطحی طور پر صوفیانہ شاعری مضبوط، غیر پادریانہ، غیر مستند اور غیر مسکون ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ ماذر ن سیاسی لادین اور غیر مسکون لوگوں میں کیوں مقبول ہے۔ لہذا پاکستان میں سو شلک اور غیر ملکی نیشنل سٹ بھی انحراف اور سرکشی کا وہی محاورہ استعمال کرتے ہیں جس کی جزیں صوفیانہ فلسفہ سے مستعار ہیں جن پر نہ وہ یقین رکھتے ہیں نہ اسے سمجھتے ہیں۔

اختتامیہ۔ ہم نے دیکھا کہ صوفی ازم نہ صرف اردو غزل پر اثر انداز ہوا بلکہ پاکستانی زبانوں پر بھی اس کا اثر خوب ہوا۔ جو لوگ ظلم تشدد کے خلاف جدوجہد کرتے ہیں کسی نہ کسی طور صوفیوں ہی کے احوال دھراتے ہیں اور رسولوں کو توزیٰ نہ والوں کا حوالہ دیتے ہیں، جیسے منصور الحجاج کا ذکر۔ چاہے کوئی فیض کی شاعری پڑھے یا فخر زمان کے ناول (دیکھیے ب۔ ۱۹۸۳ Prisonor) اس کی جذباتی خواہش اپنی کو نمودتہ بنتی ہے جن کی جزیں اسلامی صوفی ازم میں ہیں۔ مختصر یہ کہ اسلامی صوفی ازم کی گونج ابھی تک

ہماری یادوں اور سوچوں کا ایک حصہ ہے۔ امیر خروں کے مندرجہ ذیل کلام سے نتیجہ باسانی اخذ کیا جا سکتا ہے جس کی پہلی لائے فارسی میں ہے اور دوسری لائے جدید اردو ہندی میں:

شبان ہجران دراز چوں زلف و روز ہجر ملبت ہوں عمر کو تاہ
سکھی پا کو جوں نہ دیکھوں تو کیسے گا نوں رتیاں

یکاں از دو چشمائیں جادو ہے صاد فریبم بے برو تسلکیں
کے پڑی ہے جو جاناوے پیارے پی کو ہماری باتیں
خرود ۲۷ ستمبر ۱۹۲۵ء میں وفات پائی تھیں لیکن ۶۰۰ سال گزرنے کے بعد بھی ہم اس کی شاعری کو ہمہ
تن پاہ کرتے ہیں۔ کتاب میں شامل ترجمہ اگرچہ دل مودہ دینے والی کا احاطہ نہیں کر سکتے کیونکہ الفاظ کی
خوبصورت جرکت اور اصل لمحہ کو دوسری زبان کا میں منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ
پڑھنے والے اصلی موضوع سے روشناس ضرور ہو سکتے ہیں۔

عربی حروف تھیں کا پہلا حرف (اور فارسی - اردو - بخالی - سرائیکی - سندھی - پشتو اور بلوجہ جس
کی املا اور تکمیل کا نظام اس پر بنی ہے) الف ہی سے شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی ایک مخصوص
غارفانہ اہمیت ہے اور بلیے شاہ اسے دوسرے عارفانہ کلام کے ساتھ تمام علوم کا اختتام کرتے ہیں۔

ڈاکٹر طارق رحمان کے انگریزی مضمون سے ترجمہ

محبوب عزیزی

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر
(۱۲۶۵-۱۱۴)

مترجم
بیشیر حسین ناظم

بابا فرید گنج شکر

(۱۲۶۵ء۔۱۳۷۱ء)

راشد متن

"بaba فرید" جنیں "گنج شکر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ملکان کے نزدیک کتوال کے مقام پر پیدا ہوئے۔ ان کے آباء بارہویں صدی کے او اخڑیں کامل سے یہاں آئے تھے۔ ان کا تعلق تصوف کے چشتی کتبہ فکر سے تھا جس کا آغاز دسویں صدی عیسوی میں اس وقت ہوا جب سلطان محمود غزنوی کے حملوں کے دوران چشتیہ روانہ کے علمبرابر بہت سے بزرگوں نے ہنگاب کارخ کیا اور یہیں آباد ہو گئے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے بعد ہندوستان میں بaba فرید اس روحانی سلسلے کے راہنماء مقرر ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے عمد کے مروجہ ظاہری علوم کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی اس کے بعد انہوں نے دہلی کارخ کیا اور اپنے مرشد کی گمراہی میں روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ شدید ریاضت اور مجاہدوں کا آغاز کیا۔ اس سلسلے میں خصوصی طور پر ان کے چند ممکوس (چالیس دن تک کنوئیں میں الٹا لٹکے رہنا) کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے مرشد کی اجازت سے ہانسی میں رہائش اختیار کی۔ مرشد کے انتقال کے بعد انہیں چشتیہ کتبہ فکر کا باقاعدہ سربراہ بنا دیا گیا اور انہوں نے ہنگاب میں واقع "ابودھن" نامی قبیلے کو اپنا روحانی مرتبہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ رفتہ رفتہ یہاں بھی ان کی شریت ہونے لگی اور لوگ جو ق در جو ق ان کی جانب رجوع کرنے لگے۔ بaba فرید نے یہاں صوفیانہ روایت کے مطابق ایک جماعت خانے کی بنیاد رکھی۔ ابودھن جو کہ اب پاکستان کے نام سے موسوم ہے کی خانقاہ میں ایک صوفیانہ دسگاہ کی تمام جملہ خصوصیات موجود تھیں۔ جماعت خانے میں بہت سے دانشور اور صوفیاء ہر وقت موجود رہتے۔

بیا فرید کی شاعری ہم تک "آگر نہ" کے شلوکوں کے ذریعے پہنچی ہے۔ ان کو صوفیانہ شاعری مابعد الیعی رجھات اور تصورات کا باقاعدہ انسار ہے۔ ان کی تعلیمات بنیادی طور پر وہی ہیں جو ان سے دو صدیاں پہلے سید علی ہجوری متعارف کروائے تھے۔ اس انتہار سے بیا فرید کی تعلیمات کو ہنگاب کی ذریں روایات کا تسلسل تصور کرنا چاہیے۔ ان کے ہاں مذہبی قانون اور داخلی صوفیانہ صداقت میں ہم آہنگی پیدا کرنے کا رجحان غالب نظر آتا ہے۔ بیا فرید کی بنا پر تصور ہنگاب میں ایک عوایی تحریک کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ انہوں نے آخری ایام بے سروسامانی اور قلیل ابستمیت کے عالم میں بمرکے اور ۱۹۱۵ء میں وفات پائی۔

جس دن سے روح اور جسم
ایک دوسرے سے مسلک ہوئے ہیں
اسی دن سے (مشیت الہی سے) ساتس لکھے جا چکے ہیں۔
اور وہ فرشتہ (ملک الموت) جس کی آواز کان سنتے ہیں
نزع کے وقت آموجود ہوتا ہے۔

۲

یہ (ملک الموت) بیچاری روح کو اس شدت سے نکالتا ہے
کہ آدمی کی ہڈیاں کڑک جاتی ہیں
روح کو سمجھاؤ کہ اس وقت
لکھے ہوئے سانسوں کی کوئی بات نہیں مانی جاتی۔

۳

روح دلمن ہے اور موت دو لما ہے
جو اسے بیاہ کر لے جائے گا
جو کام یا تجویز اپنے ہاتھوں پروان چڑھی ہو
اسے کیسے روکا جا سکتا ہے۔

۴

پل صراط بال سے بھی زیادہ باریک ہے
جس پر چلنے والوں کی آواز کان نہیں سن سکتے۔
اے فرید! مجھے یہ آواز سنائی دیتی ہے
اس لئے ہوس کے پھندے سے ہوشیار رہتا ہوں۔

۵

اے فرید! درویش کے دروازے میں داخل ہونا بزا دشوار کام ہے
دنیاداروں کے ساتھ رہ کر عمر عزیز رائیگار گئی
اب جو خواہشات دنیوی کی گئھڑی اٹھائے پھرتا ہوں
اے پھینک کر کھاں جاؤ۔

۶

کچھ معلوم نہیں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا
دنیا تو ایک پوشیدہ آگ سے
میرے مالک نے مجھ پر کمال فضل و کرم کیا
ورنہ میں بھی جل کر راکھ ہو جاتا۔

۷

اے فرید! اگر تجھے معلوم ہو کہ مل تھوڑے ہیں
تو سنبھل کر اوک بھرنا
اگر معلوم ہو جائے کہ زندگی کا ساتھی عمر کے لحاظ سے چھوٹا (نا تجربہ کار) ہے
تو اس پر بہت کم فخر کرنا۔

۸

اے فرید! اگر تمیں معلوم ہو کہ دامن چھوٹ جائے گا
تو اسے مضبوطی سے تھامنا
میں نے سب جہاں چھاں مارا ہے
لیکن اے پروردگار، تجھ سا عظیم کوئی نہیں۔

اے فرید! اگر تو صاحبِ عقل لطیف ہے
تو اپنی قسم کو (بے اعمال سے) سیاہ نہ کر
(اس صورت حال کا) اپنے گریبان میں جھانک کر مشاہدہ کر۔

اے فرید! اگر لوگ تمہیں گھونے ماریں
تو گھونسوں کا جواب گھونسوں سے مت دو
ایسے لوگوں (جو خواہ مخواہ ابھیں) کے تو
پاؤں چوم کر اپنے گھر جانا چاہیئے۔

اے فرید! دنیا میں کب نیکی کا وقت تو نے رنگ ریوں میں گزار دیا
موت روح سے زیادہ محبت کا اظہار کرتی ہے
جب روح کی کشتی بھر جاتی ہے
تو اسے (دوسرے) کنارے کی طرف روانہ ہونا ہی پڑتا ہے۔

اے فرید! جو عمل ہو چکا ہے اس کا مشاہدہ کر
لیعنی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تیری داڑھی سفید ہو گئی ہے
منزل عقبی نزدیک تر ہے
اور ماضی کیس دور رہ گیا ہے۔

اے فرید! جو کچھ ہو گزرا ہے اس کا مشاہدہ کر
مٹھاں زہر میں بدل گئی ہے
یعنی ایک عجیب انقلاب بربا ہو گیا ہے
اب اپنے خالق و مالک کے سوا کس پر بھروسہ کیا جائے۔

اے فرید! آنکھیں (احوال عالم) دیکھ دیکھ کر تھک گئی ہیں
اور کان باتیں سن سن کر بہرے ہو گئے ہیں
یہ ایک حقیقت ہے کہ جب شاخوں پر پھل پکنے لگتے ہیں
تو ان کی شکل ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

جس نے کالے بالوں کے ساتھ (عالم شباب میں) اللہ تعالیٰ کی بندگی نہ کی
وہ سفید بالوں (بڑھاپے میں) اس کی بندگی کیا کرے گا
اب بھی وقت ہے اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبت کا اظہار کرو
تاکہ (بالوں میں) منفرد رنگ آجائے۔
اے فرید! سیاہ و سفید بالوں والوں میں سے
اللہ تعالیٰ جسے چاہے پسند کر لیتا ہے۔

محبت کرنے سے نہیں ہوتی
جلانکہ جی ہر ایک کا چاہتا ہے
یہ کاسئہ محبت یار جسے چاہتے ہیں عطا کر دیتے ہیں۔

اے فرید! جن آنکھوں نے دنیا موہلی ہے
ان آنکھوں کا میں بھی دیدار کر چکا ہوں
وہ آنکھیں جو کھلے کی دہار کی بھی متھل نہیں ہو سکتیں تھیں
ان میں سیکھوں پرندوں نے پچ دے رکھے ہیں۔

اے فرید! طعن و تشنیع اور وعظ و نصیحت سب بیکار ہیں
کیونکہ جس دل کو شیطان نے اکارت کر دیا ہو
اسے بندہ کسی اور طرف مائل نہیں کر سکتا۔

اے فرید! اگر تجھے خدا کی طلب ہے
تو اس گھاس پھوس کی طرح عاجز ہو جا
جسے کوئی کاشتا ہے اور کوئی پامال کرتا ہے
تب جا کر وہ مالک کے آگے جھکنے کے لئے مصلی بننے کے لائق ہوتی ہے۔

اے فرید! مٹی کو برا نہ جان
اس جیسی کوئی چیز نہیں
جو زندگی بھر پاؤں کے نیچے رہتی ہے
اور موت کے بعد اوپر آجائی ہے۔

اے فرید! اگر عشق کی بنیاد خواہش نفس پر ہو
تو اسے عشق نہیں ہو سکہ
آخر ایک خستہ حال چھپر کے نیچے
بارش کے عالم میں کب تک گزرا ممکن ہے۔

اے فرید! جنگلوں میں کیا مارے مارے پھر رہے ہو
یہاں تو نوں اور کانٹوں کے سوا کچھ بھی نہیں
جنگل میں کیا ڈھونڈ رہے ہو
پروردگار تو دلوں میں رہتا ہے۔

اے فرید! میں ان کمزور لاتوں (باؤں) کی مدد سے
جنگل بیلے پھر چکا ہوں
افسوس کہ آج بھی ”فرید“ کو وہ چیزیں جن پر اسے دستِ حاصل ہے
بہت دور نظر آ رہی ہیں۔

اے فرید! راتیں لمبی ہیں
اور ہر روئیں نے دھواں اٹھ رہا ہے
ایسے لوگوں کی زندگی پر لعنت ہے
جنہوں نے امید کا دامن چھوڑ دیا ہو۔

اے فرید! اگر میں عاشق ہوتا
تو ریوڑ چرانے والوں کا دوست ہوتا
یہ ایسی بات ہوتی
جیسے مجھ کی طرح ہیرا انگاروں پر جلتا ہے۔

اے فرید! جاث بول (کیک) بو کر انگور کے حصول کی توقع رکھتا ہے
(یہ ایسا ہی ہے) جیسے اس کی تمام عمر اون کاتنے گزر گئی ہو
اور وہ چاہے کہ اپنے جسم کو حریرہ و دبای سے مزین کرے۔

اے فرید! گلپیاں کچڑ سے الی پڑی ہیں
گھر (منزل عقی) دور ہے
پھر پیارے سے محبت بھی ہے
(اس حال میں) اگر میں گامزن ہوں
تو کپڑے بھیگ جائیں گے
اور اگر رکار ہوں تو رشتہ محبت نوٹ جائے گا۔

اے میری کملی! بھیگ کہ سوکھ کہ اللہ تعالیٰ نے مینہ برسایا ہے
(اس عالم میں) میں محبوب سے جاملوں گا
اور میرا رشتہ محبت بھی شکستہ نہ ہو گا۔

اے فرید! میں نے اپنی گپڑی کو (سجدہ کرتے وقت) اس لئے بچایا
کہ کہیں میلی نہ ہو جائے
افسوں میری جاہل جان کب یہ معلوم نہیں
کہ کسی دن سر کو بھی مٹی نگل جائے گی۔

اے فرید! شکر، چینی، نبات، گڑ، شد اور بھینس کا دودھ
سب چیزیں میٹھی ہیں
لیکن اللہ تعالیٰ کے ذکر کی مٹھاں
تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکتی۔

اے فرید! میری روٹی لکڑی کی ہے
اور سالن میری بھوک ہے
(یاد رکھ) جنہوں نے (دنیا میں) عیش و عشت کی زندگی گزاری ہے
وہ سخت تکلیف اٹھائیں گے۔

اے فرید! روکھی سوکھی کھا کر ٹھنڈا پانی پی
دوسروں کی چپڑی روٹی دیکھ کر
اپنے دل میں اس کا اشتیاق مت پیدا کر۔

چونکہ آج میں اپنے خاوند کے ساتھ رات نہیں گزار سکی
اس لئے میرا ایک ایک انگ افسرہ اور کملایا ہوا ہے
کوئی جا کر کسی بھولی بسری سے جا کر پوچھے
کہ تم رات کیسے گزارتی ہو۔

مجھے سرال میں باریابی حاصل نہیں
اور میکے والوں کے ہاں میرے لئے جگہ نہیں
میرا سائیں تو میری بات نہیں بھی سنتا
بھلے بھاگ کہ میں پھر بھی سماگن ہوں!

میں غسل کر کے پاک صاف ہوں
اور کافور سے مشخون ہوں
اور مجھے نیند بھی سکون سے آئی
لیکن اے فرید! مشک و عود چلتے بنے
اور صرف ہینگ کی بوباس رہ گئی۔

اگر محبوب کی محبت رخصت نہ ہو
تو مجھے حسن و جوانی کے جانے کا کوئی ڈر نہیں۔
اے فرید! محبت کے بغیر جوانی سوکھ اور کملایا جاتی ہے۔

اے فرید! دکھ میری چارپائی ہے، غم اس کا بان ہے
اور عشق کی آگ میرا کا لحاف ہے۔
اے مالک حقیقی یہ ہے ہماری زندگی۔

ہجرو فراق کے نعرے لگائے اور کمو
اے ہجرو فراق تم ہو صاحب سلطنت!
اے فرید! جس نے ہجرو فراق کا مزہ نہیں چکھا
اسے، (شمستان کی) راکھ سمجھو۔

اے فرید! یہ بزرگندلیں (دنیا) جو تمہیں نظر آ رہی ہیں
در اصل ان پر شکر لپیٹی ہوئی ہے
کچھ لوگ جنہوں نے اس کھیتی کو کامنے کی کوشش کی
وہ اسے کاٹ گئے اور کچھ لوگ اسے برباد کر کے چلے گئے۔

اے فرید! تم دن بھر دنیوی مشاغل میں مصروف رہے
اور رات نیند میں برباد کر دی
اب پروردگار (زندگی کا) حساب کتاب مانگے گا
(تو پھر تجھے پتا چلے گا) کہ تم یہاں کس مقصد کے لئے آئے تھے۔

اے فرید! کیا تو نے وہ گھڑیاں دیکھا ہے
جسے ہر دروازے پر پیٹا جاتا ہے
اس بے دوش کو اس طرح پیٹا جاتا ہے
تو ہم گنگاروں کا کیا حال ہو گا۔

اس (گھڑیاں) کو ہر دم کوٹا پیٹا جاتا ہے
اور یہ پھر وہ سزا پاتا ہے
یوں لگتا ہے کہ گھڑیاں کسی سے بچھڑا ہوا ہے
کہ اس کی راتیں بھی دکھوں میں گزرتی ہیں۔

شیخ فرید بوڑھا ہو گیا تو جسم کا نپنے لگا
اگر کوئی سینکڑوں سال بھی جی لے
تو اسے مر کر مٹی ہی ہونا ہے۔

اے فرید! اللہ تعالیٰ مجھے پرانے در پر بھیک نہ منگائے
اگر وہ مجھے اسی حال میں رکھے
تو اس سے زندگی کا خاتمہ بہتر ہے۔

شانوں پر کھڑا، سر پر گھڑا
 اس حالت میں لوہارون کے درخت سے آگ جلانا چاہتا ہے۔
 اے فرید! میں اپنے خالق و مالک کی تلاش میں ہوں
 اور تم آگ تلاش کر رہے ہو۔

اے فرید! کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی روئی گھی سے تر ہے
 اور کچھ ایسے ہیں جنہیں سالن بھی نصیب نہیں
 اس بات کا آئے چل کر پتا چلے گا
 کہ بتلا عذاب میں ہو گا۔

صاحبان جاہ و حشم لوگ جن کے سروں پر چھتریاں۔
 آگے آگے بینڈ بائے، دائیں بائیں مشی مصدی تھے
 آج سب کے سب تیموں کے پہلو
 میں گھری نیند سور ہے ہیں۔

اے فرید! یہ لوگ محل مازیاں تغیر کرتے ہوئے
 جھوٹی تجارت کرتے رہے
 اور ان کا ٹھکانہ قبریں۔

اے فرید! جسم کی ان گنت یخیں ہیں
لیکن روح کی کوئی یخ نہیں
اس لئے شیخ و مشائخ اپنی باری پر اس جہان سے چلتے بنے۔

۵۰

اے فرید! جب ملک الموت دن دھاڑے
کسی کی حوصلی پر فوج کش ہوا
تو دیواریں گر آتا، دل کو تاراج کرتا
چراغ زندگی بجھا کر چلتا بنا۔

۵۱

اے فرید! دیکھ
کپاس، تل، گنے، کانفڈ، کوئلے اور دنیا پر کیا بیتی؟
ان سب کو یہ سزا میں
ان کے اعمال کی وجہ سے ملیں ہیں۔

۵۲

اے فرید! دنیا دار فقیر کے کان مصلی
جسم پر صوف کے کپڑے اور دل میٹھی چھری ہے
باہر سے وہ کوئی روشن چیز معلوم ہوتا ہے
لیکن اندر سے سیاہ رات کی طرح ہے۔

اے فرید! اگر کوئی ہمارے جسم کو چڑھا لے
تو اس سے ایک قطرہ خون بھی نہ نکلے
جس جسم کو پروردگار نے سرخ کر دیا ہو
(یعنی رنگ الہی میں رنگا ہوا ہو) اس میں خون کہاں؟

اے فرید! اگر تجھے موتی کی طلب ہے
تو اسے کسی دریا میں ڈھونڈھ چھپڑ سے کیا ملے گا!
بس ہاتھ کچڑ میں ڈوب جائیں گے۔

اے فرید! محل، منڈیر اور مازیوں سے دل مت لگا
(مرنے کے بعد) تم مٹی میں غرق ہو جاؤ گے
اور تمہارا کوئی یار و مددگار نہ ہو گا۔

اے فرید! مکانوں پر دولت کا اسراف نہ کر
اپنا دل قبرستان سے لگا
اسی جگہ کی طرف توجہ دے
جہاں آخر کار تجھے جانا ہے۔

اے فرید! ایسے تمام اعمال کو بھلا دے
جن سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو
اس لئے کہ کہیں تمہیں خداوند تعالیٰ کے دربار میں ندامت نہ ہو۔

اے فرید! خالق و مالک کی خدمت پر مامور ہو کر
دل سے تمام شکوک نکال دے
وکیھ! درویشوں کی تلاش درختوں کے پڑوس میں کی جاتی ہے۔

اے فرید! میرا لباس اور چولا دونوں سیاہ ہیں
میں گناہوں میں تھرا ہوا ہوں
لیکن لوگ مجھے اللہ والا کہتے ہیں۔

سورج کی تپش سے جھلکی ہوئی فصل نشوونما نہیں پاسکتی
جب تک اسے چشمے کا پانی نہ ملے۔
اے فرید! جسے اس کا خاوند چھوڑ دے
وہ افسردوگی کے عالم میں مر جاتی ہے۔

کنواری ہوتے ہوئے مجھے شادی کا چاؤ تھا
شادی کے بعد جب معاملات سے دوچار ہوئی
تو مجھے پچھتاوا الگ گیا
کہ اب میں کنواری کیسے بن سکتی ہوں؟

اس نمکین پانی والے چھپڑ پر
وہ ابھی اترے ہی تھے
اور ابھی چونچ بھی نہ بھگوئی تھی
کہ انہیں اڑنے کا حکم ہو گیا۔

لوگوں نے ہنسوں کو اڑا دیا
کہ وہ کیس ان کے کھیتوں سے دانے نہ چک جائیں
احمق لوگوں کو یہ معلوم نہیں
کہ ہنس دانوں پر گزارا نہیں کرتے۔

جن کے دم سے جھیلیں آباد تھیں وہ پنچھی چلتے بنے،
اے فرید! ایک دن بھرا ہوا تالاب بھی ختم ہو جائے گا
اور تمہارے پاس صرف اکلایا ہی رہ جائے گا۔

اے فرید! اینٹ تمہارا سرہانہ
 خاک تمہارا بستر اور کیڑے مکوڑے تمہارے بدن کو کاٹیں گے
 تو نے دنیا میں جو عمل کیے ہوں گے
 وہی آگے آئیں گے۔

اے فرید! گھڑے کا ڈھکنا ٹوٹ چکا ہے
 اور آب کش رسی بھی تڑک چکی ہے
 ملک الموت نے آج کس کے گھر دستک دی ہے۔

اے فرید! گھڑے کا ڈھکنا ٹوٹ چکا ہے
 اور آب کش رسی بھی تڑک چکی ہے
 جو احباب کبھی زمین پر بار تھے
 وہ ایسے گئے ہیں کہ اب واپس نہیں آسکتے۔

اے فرید! بے نمازگ (ملعون شے)
 یہ کوئی اچھی روایت نہیں
 کہ تم مسجد میں پانچوں وقت کی نماز کیلئے
 کبھی بھی چل کر نہیں آئے۔

اے فرید! اٹھ وضو کر اور نماز فجر ادا کر
جو سر اللہ تعالیٰ کے آگے نہ بھکے
اے دھڑ سے جدا کر دے۔

اے فرید! ایسا شور مچا جیسے جوار کا محافظ شور مچا تا ہے
جب تک نانڈا نہ گرے
تب تک تیری کوک جاری رہنی چاہئے
(آخری دم تک اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہو)

اے فرید خالق مخلوق میں بتا ہے
اور مخلوق خالق میں
اس لئے برا کس کو کہا جائے
جب اس کے بغیر کسی کا وجود ہی نہیں

اے فرید! انسانیت کو مونج کی طرح کوٹ کر
اس کے چھوٹے چھوٹے ریشے بنادے
پھر اللہ تعالیٰ کے معمور خزانوں سے
جودل چاہے لوٹ لے۔

۷۳

اے فرید! یہ دنیا بُو قلمونی ہے
 اور اس میں سولوں کے بُلغ ہیں
 جس کو مرشد نے حسن ظن سے نوازا ہے
 ان کو کوئی آنچ آئے گی نہ لاگ لپٹ ہو گی۔

۷۴

اے فرید! عمر ہماری حسین ساتھی ہے
 اور جسم سونے کی طرح ہے
 لیکن دنیا میں ایسے لوگ شاذ و نادر ہیں
 جنہیں اپنے مالک سے حقیقی عشق ہے۔

۷۵

اے لمبِ کنارے مت کاٹو
 تم بھی (کسی کے آگے) جواب دہ ہو
 لیکن تمہیں ادھر کا رخ ہی کرنا ہو گا
 جدھر اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔

۷۶

اے فرید! نفس امارہ (تن) تو بھونکتے کتے کی طرح ہے
 اس کی آوازیں سن کر کون دا بھی رنج اٹھاتا رہے
 خواہ کتنی ہی (ہوس کی) تیز ہوا میں چلیں
 میں تو کان میں روئی ٹھوںس رکھ لیتا ہوں۔

۷۷

اے فرید! اللہ تعالیٰ کے فضل سے بھجوریں پک چکی ہیں
اور شمد کی ندی روائی ہے
لیکن ہر دن جو گزر رہا ہے
اس سے عمر کم ہوتی جاتی ہے۔

۷۸

اے فرید! جسم سوکھے پنجھر کی طرح ہو گیا ہے
اور تیلوں کو کوئے چونچیں مار رہے ہیں
اس حال میں بھی مالک نے میری خبر ٹھیں لی
افسوس ہے بندے کی قسمت پر۔

۷۹

اے کوئے! تو جو جسموں کے ڈھانچوں کا طالب ہے
میرا سارا گوشت نوچ کھانا
گمردو آنکھوں کو مت چھوٹا
جنہیں ابھی تک محبوب کی دید کی توقع ہے۔

۸۰

اے کوئے! میرے جسم کے پنجھر کو مت چوں
اس میں بننے والے سے ڈر
جس میں میرا مالک مقیم ہے
اس (میرے بدن) کا گوشت مت کھا۔

اے کوئے! سارے جسم کا گوشت چن چن کر کھا جا
لیکن آنکھوں کو مت چھوٹا
جنہیں محبوب کے دیدار کی امید ہے۔

اے فرید! بگلا دریا کے کنارے بیٹھا مزے لے رہا تھا
کہ اس پر آسمان سے تند خوباز جھپٹ پڑا
جب مالک کا باز جھپٹنا
تو بگلا تمام عیش و آرام بھول گیا
مالک نے ایسی ایسی یاتوں کو جنم دیا
جو وہم گمان سے بھی وراء تھیں۔

سائزے تین من جسم انسانی جو پانی اور خوراک سے چلتا ہے
دنیا میں آکر جلد ہی اسے سونا کر کے چلا جاتا ہے
ملک الموت تمام دروازے توڑ کر چلا آئے گا
اور ہمارے بھائی ہی ہمیں باندھ کر
اس کے حوالے کر دیں گے
اور کیسی گے دیکھو! بندہ چار بندوں کے کندھوں پر سوار جا رہا ہے
اے فرید! جو عمل دنیا میں کیے ہوں گے^۱
وہی درگاہ ربانی میں کام آئیں گے۔

اے فرید! میں ان پنچھیوں پر قریان
 جن کا جنگل میں ڈیرا ہے
 یہ پنچھی کنکریاں چکتے ہیں
 اور ویرانوں میں رہتے ہیں
 لیکن جادہ حق کو بھی نہیں چھوڑتے۔

اے فرید! موسم بدل چکا ہے
 دن (درخت) کانپے لگا ہے
 (موسم خزاں میں) پتے درختوں سے جھٹنے لگے ہیں
 میں نے چاروں گوشے چھان مارے ہیں
 لیکن کوئی گوشہ بھی موت کی آواز سے خالی نہیں۔

اے فرید! حریر و دبیا کے لباس کو پھاڑ ڈال
 صرف کملی کو تھامے رکھ
 اور اسی لباس کو اپناو
 جس سے مالک و مولامل سکے۔

اے فرید! جو لوگ نہایت ہی عزت و عظمت والے
صاحب حسن اور صاحب مال و مثال تھے
دنیا کو پھر پر برستی ہوئی بارش کی طرح چھوڑ گئے۔

میں یار کو تلاش کر رہی ہوں
لیکن وہ میرے پاس ہی ہے
اگرچہ اسے کسی بھی جنت، صفت اور صورت میں
کماحتہ بیان نہیں کیا جا سکتا
لیکن مرشد پھر بھی اپنی صورت دکھا ہی دیتا ہے۔

دنیا، بندہ، تالاب اور پیچھی ایک ہی ہیں
لیکن انہیں اسیر کرنے والے بہت سے ہیں
یا رب یے، اب تیری ہی آس ہے یہ بدن
تو ہزار قسم کی لہروں میں جکڑا ہوا ہے۔

کون سالفظ اور کون سی صفت دھراوں
اور کون سی منت مانوں؟
کون سا چولا پہنوں
جسے مالک پسند کرے۔

شاه حسین
(۱۵۹۳ء-۱۵۳۹ء)

مترجم
مسعود قریشی

شہادت شاہ حسین (۱۵۹۳ء-۱۵۳۹ء)

راشد متن

ربا میرے حال تو دا محروم وچ تو اندر تو ایں باہر تو ایں روم روم وچ تو عشق حقیقی میں ڈوبی ہوئی یہ آواز ایک دردیش صفت اور مست انسان کی آواز ہے جو آج سے تقریباً ساڑھے چار سو سال قبل خطہ پنجاب میں گونجی اور پھر دیکھتے پاک و ہند میں پھیل گئی۔ یہ آواز شاہ حسین کی آواز تھی جنہیں مادھوالاں کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ شاہ حسین پنجاب کے ان سرکردہ صوفیاء میں سے ہیں جنہوں نے بر صیر میں خدا کی وحدانیت کا پیغام گھر گھر پہنچایا۔ دا ہندو تھا والد حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور نام شیخ عثمان رکھا گیا۔ لاہور کے نکسالی دروازے میں رہائش پذیر ہوئے یہیں ۱۵۳۹ء میں شاہ حسین پیدا ہوئے یہ زمانہ سلطنت مغلیہ کے مرکزی علاقوں میں احیائے دین کی تحریکوں کا زمانہ تھا جس کا رو عمل قادر یہ ملک کی صورت میں مروجہ صوفیانہ بغاوت کے علمبردار کی حیثیت سے سامنے آیا۔ اس ملک کی تکمیل میں بھتی اڑات کے علاوہ ملامتی مکاتیت فکر نے بھی حصہ لیا تھا اور اس نظام فکر کا اولین اظہار شاہ حسین کی صوفیانہ بغاوت کی صورت میں ہوا۔ ان کے گرانے میں ہندو شفاقتی اور مذہبی اڑات بدستور موجود تھے۔ شاہ حسین پیشہ کے اعتبار سے باندے تھے اور انہوں نے اپنے اس طبقاتی پس منظر کا کھلے دل کے ساتھ اظہار بھی کیا۔

سکھیو، مجھے میرے محبوب سے ملا دو
میں آس کے ہجر میں نڈھاں ہوں

میں باپ سے جیزی کی طالب نہیں
نہ والدہ سے پیار مانگتی ہوں
میں تو ہر دم اپنے محبوب حقیقی کی طالب ہوں
تاکہ دینا کے جنجال ختم ہوں
مجھے تو میری مرضی کے بغیر روتے چلاتے
زبردستی شادی کی رسوم ادا کی گئیں
مجھے ظالم کھیڑوں کے سپرد کر دیا گیا
میں روتی چلاتی رہی لیکن کسی نے میری ایک نہ سنی۔

اب محبوب کے فراق میں
تارے گن گن کر رات کنستی ہے
اور دن کانٹوں کی طرح اذیت ناک ہے۔

میں خیالوں میں اپنے حقیقی محبوب
”راجخہے“ کی خدمت کرتی ہوں
اور خوابوں میں اسے ملتی ہوں۔

راتیں بھی کالی ہیں اور بھینسیں بھی کالی ہیں
جنہیں را بخھا چڑا گا ہوں میں چرا رہا ہے
”حسین“ فقیر کی یہی دعا ہے
کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے فراق زدگان کو ملائے۔

اے عقلمند دنیا دارو
 ہم بربی ہیں، بست بربی ہیں۔
 لوگو، ہم برے لوگوں کی صحبت سے بچو
 لوگو، ہبھر کی چھربیاں تیروں اور تلواروں سے بھی تیز ہیں
 محبوب پر دلیں چلا گیا ہے
 اور ہم اسے الوداع کہہ کر الوٹ آئی ہیں۔
 اے محبوب اگر تو تخت ہزارہ کا باسی ہے
 تو ہم بھی اعلیٰ سیال خاندان سے ہیں
 ہم اپنے محبوب کی تلاش میں نکلی ہیں
 ہمیں اپنے پرائے کا کچھ ہوش نہیں
 جنہوں نے ہر دم اپنے محبوب کا نام نہ لیا
 اے لوگو وہ انجام کا رپھتا تی ہیں
 اللہ کا فقیر "حسین" کرتا ہے
 کہ ہم اپنے محبوب حقیقی سے واصل ہو گئے ہیں۔

مجھے بھی راتنجھے کے ذریعے جانا ہے
کوئی میرا اس سفر میں ساتھ دے
میں نے سب کے پاؤں پکڑے منتیں کیں
لیکن کوئی میرے ساتھ نہ چلا
اور مجھے اکیلے ہی جانا پڑا۔

ندی گھری ہے، ناؤ پرانی ہے
اور سامنے گھاث پر شیر اپنے شکار کے مختصر ہیں
اگر کوئی میرے محبوب کی خبر لائے
تو میں اپنی آنکھوں نے اس کی نذر کروں
راتوں کو درد اور دکھ ہے
دوست سے جدا ہی کے زخم گھرے ہیں
خنثے ہیں کہ میرے محبوب کے پاس ہر درد کا درمان ہے
لیکن میرے گھاؤ ہی عجیب ہیں
بچارہ حسین فقیر کرتا ہے
کہ میرا آقا کوئی پیغام بھیجے تو دل کو قرار آئے۔

میں تارک الدنیا فقیروں کی باندی بن کر
چاکروں والے کام کروں گی
چوکا پوتوں گی، جھاڑو دو گی
اور جھوٹے برتن دھوؤں گی۔

میں پیپل کے درخت کے گرے پتے چنتی پھرتی ہوں
لوگ مجھے پلگی کہہ رہے ہیں
نا سمجھ لوگ میری اصل حالت سے بے خبر ہیں
کہ میں ہجریاں میں بے چین ہوں
ملکوں ملکوں سب لوگوں تک خبر پہنچی
کہ ہیر نے دنیا ترک کر دی
ایک تک یہ خبر پہنچی
یا لاکھوں نے یہ سنا، مجھے کیا
میرا کوئی کیا بگاڑ لے گا
میں تو اپنے محبوب حقیقی کی غلام ہوں
وہی میرا آقا و مالک ہے۔
بے چارہ ”حسین“ فقیر کرتا ہے
کہ اے محبوب اپنی باندی کو دولت دیدار بخش۔

یہاں ایک سے ایک بڑھ کر ہزاروں دو شیزاریں ہیں
ان میں تیری کیا وقعت ہے
تم تو یہاں بھیڑس چرانے
اور اون صاف کرنے پر مامور ہو۔

عشق کی مشکل راہ پر چلتے چلتے
تیرے پاؤں کا نٹوں سے زخمی ہو گئے
اور تو اتنی سی بات پر واپس چلی۔

تم سا بزدل تو میں نے کوئی نہیں دیکھا
جو راہِ عشق کی تکلیفیں دیکھ کر لوٹ پڑے
نیک اعمال کے بغیر تو انسان
ندی میں بستے تکلوں کی مانند بے حیثیت ہے۔

ہاں صاحب اعمال کے بل پر
پیغمبر، مرشد اور اولیاء کو درگاہِ حق میں باریابی حاصل ہوتی
سب دریائے معرفت سے فیض پانے آئے ہیں

ابتدہ انداز سب کے جدا ہیں
اللہ کا فقیر شاہ حسین اس محفل روحانیاں میں
داخلے کے منتظر ہیں۔

یہ تمام دنیا چوروں کی آماج گاہ ہے
ان کی دست بردے
نہ پگڑی محفوظ ہے نہ دوپٹہ۔

بعد میں ان سے لڑنے جھگڑنے کی بجائے
اس لئے عقائدی سے کام لے
اپنا زاد راہ سنبھال کر سو
یعنی نفس کی دستبرد سے محفوظ رہنے کا بندوبست کر۔

تمہاری ہندیا کے تمام شگافوں میں سے پانی بسہ رہا ہے
یعنی عمر تمام ہونے کو ہے
اللہ کا فقیر "حسین" کہہ رہا ہے
کہ عمر تو اب بیت چلی آخرت کی فکر کر۔

اے داتا، جیسے تمام تیری دنیا محتاج ہے
اور تمہیں سے مانگتی ہے
اسی طرح میں بھی تم سے مانگتی ہوں۔

مجھے بھنگ، یعنی دنیا سے بے نیاز کر دینے والے
علم معرفت سے بھرا ایک کمرہ
اور اسے کام میں لانے کے لئے ڈنڈا کو ڈنڈا عطا کر
ان کو مصفا کرنے کا سامان دے
مرج دے جن سے سالن رنگ پر آئے
پوست دے، پیالہ اور چینی سے بھرا برتن دے
یعنی علم معرفت کا سب سامان دے۔

گیان دھیان عطا کر
اور طالبان معرفت کی صحبت دے۔
اللہ کے فقیر شاہ ”حسین“ کی
یہی دعا ہے اور یہی آرزو۔

چور ہمیشہ چوری میں مشغول رہتے ہیں
 بھنگ کے عادی بھنگ کی ترنگ میں رہتے ہیں
 ہوس دان ہمیشہ ہوس کی گرفت میں ہیں
 اور ہم مالک حقیقی کے عشق کی لگن میں مگن ہیں۔

راجہ مسراجے کاروبار حکومت میں مگن ہیں
 کارندے وصولیا بیوں میں محو ہیں
 چوہدریوں کو گاؤں کے انتظام کی فکر ہے
 اور ہم مالک حقیقی کے عشق کی لگن میں مگن ہیں۔

اے مالک حقیقی تو نے زندگی کو عجب کھیل بنایا ہے۔
 ہر کوئی یہ کھیل کھیل کر عدم کو سدھارتا ہے
 لیکن ہم تیرے عشق کی لگن میں مگن ہیں
 لوگ دنیا کے مال کی خاطر لڑ جھٹڑ رہے ہیں
 اے مالک تو ہماری عزت رکھنا
 سب نے مرکر خاک میں مل جانا ہے
 ہم مالک حقیقی کے عشق کی لگن میں مگن ہیں۔

”شاہ حسین“ گدائے بے نوا ہے
 اے پیر مت کو۔
 ہمیں غلط بات پسند نہیں
 ہم فقیر تو مالک حقیقی کی لگن میں مگن ہیں۔

اے کریم میرے گناہوں کو نہ دیکھ
تیرا صفاتی نام ہی ستار ہے
تو مختار کل ہے، جو چاہے کرے
تو دلوں کا حال جانتا ہے۔

تم سے کچھ پوشیدہ نہیں
مجھے بیچاری کے عیبوں کی طرف نہ دیکھ
اے رب کریم، تو عاقل ہے، دانائے کل ہے
تو ہی میرا سارا بن
جو کچھ میرے دل میں پہاں ہے سب تم پر عیاں ہے۔

تو ہی داتا ہے، تو ہی مالک ہے
تو سب کچھ عطا کرتا ہے
اور تیرا کرم رکتا نہیں
تو جودو عطا کا بہتا دریا ہے
جو ہمہ دم مانگنے والے کا انتظار کرتا ہے
تیرا بندہ عاجز "شاہ حسین" یہی کہتا ہے
کہ تو جو بھی کرے۔ وہ مجھے عزیز ہے
تجھ سے دوری میرے قریب نہ آئے
ہر دم تیرا شکر میرے دل اور زبان پر رہے۔

حرف حق سننے کی کے تاب ہے؟
 باطل رگ و ریشه میں رچ چکا ہے
 اے انسان حرف حق سننے کی تاب نہیں

جن کے دل میں طلب حق کی آتش پہاں ہے
 صرف انہوں نے حرف حق نا
 جب خود مطلوب حقیقی نے پردة دوئی چاک کر دیا
 تو رقیب رشک سے فا ہو گئے
 حرص و ہوا اور دنیا داری کے
 زہر لیے سانپ سب راستوں پر پھر رہے ہیں۔

ان سے وہی نج سکے گا
 جس نے خالق حقیقی کے عشق کا دامن تھاما
 "حسین فقیر" کہتا ہے کہ سماگن وہی ہو گی
 جس نے دنیاداری سے دامن داغدار نہیں کیا۔

رات بہت کم رہ گئی
عمر ختم ہونے کو ہے۔
اور تم نے اپنے مالک کو راضی نہیں کیا

حقیقی سماں تو وہی ہے
جس کے بازو محبوب کی گردن میں حماں ہیں
ایک تو قبر کی نگ و تاریک کو ٹھہری ہے
اور پھر کوئی دیا تک نہیں۔

جب موت کا فرشتہ
میرا بازو پکڑ کر مجھے عدم کی طرف لے چل
اوے سب عزیز و اقارب چھوڑ گئے۔

میں بد نصیب تمام سماں رات تو سوتی رہی
اور پھر تڑکے بیدار ہوئی۔

اب اپنی سیلیوں سے پوچھ رہی ہوں
کہ میں اپنے شوہر کو کیسے مناؤں
”حسین فقیر“ کہتا ہے
کہ جو لوگ مالک حقیقی کی عبادت کرتے ہیں
تو وہ مر کر بھی زندہ رہتے ہیں۔

عشقِ حقیقی کا راستہ سوئی کے سوراخ کی طرح باریک ہے
 تو اپنی نفیاً تی خواہشات ترک کر کے
 تن کو ترک کر کے ہی اس میں سے گزر سکتا ہے
 عاشق ہو کر ہی عشق کی دولت دارین حاصل ہوتی ہے۔

تیرا ظاہر صاف سہرا اور روشن، درخشاں ہے
 اور تیرا باطن باطل سے آلووہ ہے
 تو کس بل بوتے پر خود کو شیخ کھلاتا ہے۔

”شاہ حسین“ کہتا ہے کہ اگر تو
 اس دنیا کی لذات اور خواہشات نفیاً کو ٹھوکر مار دے
 تو عالمِ حقیقی میں بلند رتبہ پائے۔

اگر تم نے خود کو پہچان لیا اُر اپنی حقیقت سے آشنا ہو گیا
تو خالق حقیقی کو پانا آسان ہو جاتا ہے۔

اے انسان، اپنی حقیقت کو پہچان
یہ سونے کے دنیاوی محلات
اور قلعے، چاندی کے چھجے
سب جلتے شمشان گھاث بن جائیں گے۔

چھے خبر ہو کہ نہ ہو
تیرے سر پر فنا کا دیوتا سازش کر رہا ہے
تمہارا اصل ملک ساڑھے تین ہاتھ کی قبر ہے
تو اتنے لمبے چوڑے منصوبے نہ بنا

اللہ کا فقیر "حسین" بے چارہ تمہیں سمجھا رہا ہے
کہ خودی کے تصورات چھوڑ دے

(۱) "جس نے خود کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا"

معرفت سے عاری ظاہردار قاضی اور ملا مجھے سمجھا رہے ہیں
دنیا دار عقل مند مجھے زندگی کا صحیح راستہ بجا رہے ہیں۔

وہ بے چارے کیا جائیں
کہ عارفانِ حقیقی راہ شریعت سے بے پرواہ ہوتے ہیں
کیونکہ وہ اللہ کے عاشق ہیں
جو ظاہرداریوں سے بے پرواہ ہے۔

میرے محبوب کا ٹھکانہ دریا کے پار ہے
اور ہم عمد کر چکے ہیں
کہ وہاں ہر حالت میں جانا ہے
میں ملاح کی منت سماجت کر رہی ہوں
کہ مجھے دریا کے پار لے جائے
چونکہ ہمارا دل اس بے پرواہ مالکِ حقیقی سے لگ چکا ہے۔

بیچارہ "حسین" فقیر بر ملا کرتا ہے
کہ آخر سب نے مرکر اس دنیا سے چل دینا ہے
آخر انسان کا واسطہ اللہ تعالیٰ سے ہی پڑے گا
اسی بے نیاز سے ہم نے دل لگایا ہے۔

میں اپنے مالک حقیقی کے دربار کی بھنگن ہوں

میں دھیان کی ٹوکری اور گیان کا جھاؤ لے کر
زندگی کو خواہشات نفسانی اور جذبات سفلی سے پاک کرتی رہتی ہوں۔

دنیاوی اور مذہبی معاملات کو قاضی اور حاکم وقت جانے
ہمیں اس بیگار سے آزادی ہے
گاؤں کا کھیا اور چوبدری
دنیاداری کے ان معاملات کو سمجھتے اور نمائتے ہیں
میں خدمت سرکار اعلیٰ پر مامور ہوں۔

بپھارہ "حسین" فقیر کے
کہ اے خالق و مالک مجھے ان دنیاوی جھمیلوں سے کیا غرض
میں تو دیدار عین کا طالب ہوں۔

ہمارے باطن میں بھی اللہ تعالیٰ کا جلوہ ہے
اور اس کائنات میں بھی اسی کے جلوے ہیں
لیکن میری یہ بات کون سے اور سمجھے گا؟

اے میرے رفق
کچھ کہنے کی گنجائش نہیں
لفظ گنگ ہیں

ایک ہی محبوب حقیقی کے سب جلوے ہیں
دوئی کی نہ گنجائش نہ امکان

اللہ کا فقیر حسین کے کچھ مرشد کے قربان جائیں

میرے باپ نے چند روز بعد
 میرے عقد کا دن ٹراویا
 وقت بست کم رہ گیا ہے
 مجھے سرال سے بلاوہ آگیا ہے
 یعنی میں اب یہ دنیا چھوڑنے والی ہوں
 اب جیز بنانے سنبھالنے کا وقت نہیں رہا ہے۔
 تیرا گانا یعنی دنیاوی بندھن کھل رہا ہے
 اور تو بے خبر ہے
 یہ موت کی رخصتی ہے
 ساتھ نہ بمن جائے گی نہ کوئی بھائی
 اب اللہ ہی اللہ ہے
 اللہ ہی اللہ، اللہ ہی اللہ

اے میری سیلیو اور عزیزو
 مجھے عسل عروسی یعنی میری میٹھو عسل دیا جا رہا ہے
 مجھے آخری بار مل لو
 یہ آخری بار ہے
 اس کے بعد پھر نہ ملاقات ہو گی نہ دیدار

میری ماں زار و قطار رو رہی ہے
اور بُن مجھے بے سود پکار رہی ہے
موت کا فرشتہ عزرایل
مجھے بے یار و مددگار کو لے جا رہا ہے
ایک تو قبر کی تنگ اندھیری کوٹھری ہے
دوسرے دیا تک روشن نہیں۔

موت کا فرشتہ میرا بازو پکڑ کر
سوئے عدم لئے جا رہا ہے
اور کوئی ساتھی ہمراہ نہیں
اے انسان موت کی حقیقت کو سمجھ
خودی اور تکبر سے توبہ کر
اور حلم اختیار کر
اپنی قبر کو یاد کر جو تمہارا مشکل ٹھکانہ ہے۔

تو چاہے کتنے ہی جتن کرے
ہاتھ پاؤں مارے، سرد ہٹنے
مگر وقت ہاتھ نہ آئے گا۔
”حسین“ فقیر بے نوا کے اس بیان سے
سب دوست احباب اوس اور غمگین ہو گئے۔

تم نے ساری عمر بے کار گناہ دی
 اب باقی کچھ نہیں رہا
 اب اپنے آخری دم کا اندازہ لگا

وہ یوپاری دروازے پر آپنچے ہیں
 جن سے زندگی کے دم قرض لئے تھے
 زندگی کے عیش و آرام
 اب جان کا عذاب بنے ہوئے ہیں

اللہ کا فقیر "حسین" کہتا ہے
 اب چون و چرا کی الجھنوں کا وقت گزر گیا
 اب اپنے آخری دم کی فکر کر

فقیروں کی یہی دعا ہے
 کہ تو مالکِ حقیقی کی طرف سے کبھی غافل نہ ہو
 تو سب کچھ بھلا دے
 لیکن مالکِ حقیقی کو دم بھرنہ بھول
 کہ وہ بھولنے والا نہیں
 سونا، چاندی سب ناپید ہو جاتے ہیں
 لیکن عشقِ حقیقتِ ابدی ہے
 اے دو شیزہ، تو اور سب سے تو ہنسٹی کھیلتی ہے
 پھر مالکِ حقیقی سے کیا پردا؟
 عشق نے تیرے چو بارے میں جھانک لیا ہے
 اب دنیا کا کیا ڈر
 تیرے مال باپ کی ڈم
 یہی تمہارے حق میں بستر ہے
 کہ تو مالکِ حقیقی کی ہو جائے جس حسن اور دنیاوی ساز و سامان پر
 تجھے ناز ہے یہ مٹی میں مل جائے گا۔
 اللہ کا فقیر "حسین" کرتا ہے
 کہ جب موت ہی سب کا انجمام ہے
 تو فانی چیزوں پر مان کیسا؟

تمہاری دکان پر گاہک آیا ہے
اس سے سودا کر لے

پچاس نکلے کم لے لے
وہ چلانہ جائے
کچھ تو کمالے

”میکا“ یعنی یہ دنیاۓ فانی تو چار دن کی ہے
ابھی سے پیا یعنی آخرت کا وھیان کر

یہ دنیا تو میدان عمل ہے
اس میں نیک اعمال کا جیز کمالے

دوسروں نے تو تجھے ادھار پر ٹال دیا
ہم سے کچھ نقد نصیحت حاصل کر لے

بیچارہ ”حسین“ فقیر کرتا ہے
کہ ہم فقیر دل کے بادشاہ ہیں
ہم سے گوہر نصیحت لے لے

مخدوم شاہ عنات
(۱۰۷۱ھ-۱۳۰۷ء)

مترجم

تاج جویو

شہ اناں

راشد متن

سر زمین سندھ میں مقبولت کی سند حاصل کرنے والے صوفی شعرا کی فہرست میں "شہ اناں" کے نام کو کسی بھی طور پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی زندگی کے حالات کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ بھی تحریر نہیں کیا کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تواریخ ولادت و وفات بھی مستند انداز میں دستیاب نہیں۔ حتیٰ کہ ان کا نام بھی مختلف انداز میں تحریر کیا جاتا ہے اور مختلف تحقیقیں نے کبھی انہیں "شہ اناں" اور کبھی "شہ اناں" لکھا۔ ان کی شاعری کی کھوچ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے کی اور بے پناہ صوفیانہ انکار کی حامل یہ شعری تخلیقات طالبان علم و ادب کے سامنے آئیں۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کی تحقیق سے پہلے چلتا ہے کہ "شہ اناں" بلاشبہ سندھی شاعری کی مروجہ روایات کے بانی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ "شہ اناں" ہی تھے جن کی بدولت سندھی شاعری میں فرسودہ مضامین سے قطع نظر صوفیانہ انکار و خیالات صرفت کے انداز میں پیش کیے گئے۔ نہ صرف یہ بلکہ تبلیج اور استعارہ کی صورت میں سندھی شاعری کوئئے نئے افق میر آئے۔ اور آنے والے سندھی شعرا نے ان تجویزات کو اپنی اپنی تخلیقات کا حصہ بنایا۔ "شہ اناں" نے سندھی شاعری کی لوک روایات کو سمجھا کر کے ایک

سراسر تازہ اور تو انا جنت عطا کی اور سندھی شاعری کے فروغ میں بنیادی عوامل کے طور پر اپنی تمام تر
جزئیات کو سمو ڈالا۔ یہی وجہ ہے کہ سندھی کا بڑے سے بڑا شاعر، 'بشویں شاہ لطیف بھٹائی'، ان کے
شری محسن و مفاسدین سے استفادہ کو اپنے لئے اعزاز سمجھتا ہے۔

(۱)

دامن میں سوپاپ چھپائے
آئی تیرے درار
میرے من میں آسی ہے
کرم کرو دلدار

(۲)

سگ پیا کے رہتے
پوچھوں چارہ گر کو کا ہے؟
میرے من کاروگ عنات
نیم حکیم نہ جانے
دل کا در درفع ہو جائے
ساجن کے آئے!

(۳)

چارہ گر کو میں نہ پکاروں
پاس نہ اس کے جاؤں
جس ساجن نے درد دیا ہے
کرم اسی کا چاہوں
پر قیم اپنے پاس بلائے
دل کا در در بھلا دوں

(۳)

مدھ پلا کر عام
پریتم نے مخور کیا
ساقی اسی شراب کا
بھر دے جام پہ جام
پھر وہ مست مدام
دروازے پر دوست کے

(۴)

اڑ کر جل کر پروانے نے
آن بھائی آگ
جلتی آگ میں جل کر پیا
جیون بھید اور بھاگ

(۶)

پریتم کو پلکوں میں ڈھانپوں
میں گھروندے کر دوں
ساجن میرے آنگن آیا
ساجن کے کن گاؤں
دیکھ پیا کو اپنے گھر میں
نیشن بچ بساوں!

(۷)

مان کے بات ستارے کی
چمکا چاند آکا اس
حسن پیا کا دیکھ کر
بن گیا اس کا دا اس

(۸)

”سیاسیوں“ نے آگ لگائی
 ”سورگ“ جل گئے سارے
 پچھلی رات سفر کو نکلے
 بیراگی بخارے
 ان کی دوری دل کو گھائے
 کس کو کہوں میں پیارے
 یاد آ میں دن رات ہیشہ
 جوگی یار دلارے

(۹)

ان کے من میں مودہ نہ کوئی
 اس دنیا کا عام
 در در گھر گھر بھیک نہ مانگیں
 گرناری ہر کام
 جہاں شرم سے لوگ نہ جائیں
 وہاں کریں بس رام
 پھول کنول کی مانندان کے
 من میں بے رام

(۱۰)

رکھ توکل تات
 خود کو تو پہچان لے
 او سنیا سی! سید کے
 یہی ہے حق بات
 اپنے من سے دور کر
 دوئی، شک شہمات
 چھوڑ خودی کا ساتھ
 پھر کربات پر تم کی

(۱۱)

بادل، برسے خوب عنات
 سبز ہو اسنار
 "ساوں" اور "سیار چھ" "کھی"
 گھاس بنے گلزار
 زندانوں میں جیانہ جائے
 یاد آئیں "سکھار"
 تجھے ملا دو میرے مارو
 بھیجاں کے پار!

(۱۲)

ساجن سنگ چنوں میں "پیٹھوں"
 مکن میں ہے یہ آس
 دیکھوں ملک ملیر
 رہی ہے ہر دم حسرت پاس
 سید کے اساب بنتے تو
 جاؤں میکے پاس
 صحرائی بہنوں سے مولا!
 ملن مرا ہو خاص

(۱۳)

جادا تا کے دروازے پر
لے کر اپنا سازا!
راجا کامن موه لے چارن!
بن کر چارہ ساز
تان پورے کی تان سے کر لے
پیدا سوز گداز
راضی ہو کر راجا دیگا
مجھ کو دان دراز

(۱۴)

ساجن! مجھ میں کوئی "گن" ناہیں
"او گن" انت اپار
او گن گنوں تو گن نہ پاؤں
مجھ میں عیب ہزار
میرے او گن ڈھانپ لے ساجن
بن کر پروہ دار

(۱۵)

ہم وہی ہیں یار!
جنہیں توجانے اجنبی!
"او گن" لے کے عنات کے
آئے تیرے پار
دلبر تیرے دوار، او گن گن
بین گے میرے

(۱۶)

ساجن بے سواں میں
سدار بے وہ یاد
ان کے آنے سے من میرا
خوب ہوا ہے شاد
جودل میں آباد
کیا پکاروں ان کو!

(۱۷)

پھولی میں نہ ساواں
گھر آئے مہمان!
تاریکی میں روشنی
ساجن چاند مہمان
ان پر واپوں جان
کا گانے جو آن ملائے

(۱۸)

سجنوا کے پار سے آیا
ملن سندیسہ لایا
کا گتے بول پیا کی باتیں
میرا من بھلایا

(۱۹)

جو گی بیکل جالیں جگ میں
آدم ذات سے دور
ان کے طعنے سے عنایت
ذرانہ ہوں رنجور
ہر دے سے حیرانی جائے
آمیں کاش حضور

(۲۰)

سحنو اکی یاد تائے
 جس کا اتنا نہ پار
 نیوا سے آنسو بر سیں
 جیسے میکھ ملہار
 ہجر میں جن کے اک ساعت بھی
 جینا تھا دشوار
 پھر وہ آئے، آنکن مرکا
 من ہوا سرشار

(۲۱)

میرے من کے ساجن! تجھ سے
 کرلوں بات شفاف
 مجھ سے لاکھوں دوش ہوئے ہیں
 تو ہی کو دے معاف
 ”ہار“ نے مجھ کو لچایا تھا
 نادم ہوں سرکار
 میرے خاوند ”جام چسیر“
 کر لے من کو صاف

(۲۲)

جیتے جی محبوب ملے
 یہ ہر جائی کا خیال
 موت و قبل آن تموتوا
 سب کے آگے سوال
 مرنے سے محبوب ملے گا
 جیتے ملے محال

(۲۳)

کبھی نہ بھولوں، دل میں سماوں
 ان کی یاد سماں
 ان کے ساتھ گھڑی جو بیتی
 بن گئی ایک کہانی
 بارہ ماں جو گزرے جکے
 جانوں وہ سب فانی

(۲۴)

عشق کرے سکیل، بلا کر
 عشق نہ نصف کرے
 یہ تو خواہش "سارہ" کی ہے
 کی جو قول سے

(۲۵)

میں نے کم اور موٹا کا تا
 چرخے پر جو آج
 عیب نہ اس سے صراف نکالے
 خفافہ ہو بس تاج
 تو لئے وقت عنایت میری
 کاش رکھے وہ لاج

(۲۶)

پیٹ کی خاطر کا تئے آئیں
 چرخے والیاں عام
 جن کا دل سا جن کا ذریہ
 ان کے تھوڑے نام

(۲۷)

خوب شو لینے بھورے آئے
 کتنی دوری سے
 دل میں جگہ دی ان کو
 کنوں کے سند رپھولوں نے

(۲۸)

خود کو مترجمان
آٹھوں پر رعنات کے
منگتا! معافی مانگ کر
لے داتا سے دان
ساجن یا رسمجان
اوگن تیرے ڈھانپ لے

(۲۹)

دوست بغیر اسی دنیا میں
کون مجھے پہچانے؟
میری سکھیوں میں مور کھ تھی
سو گئی کیوں سرہانے
پوچھی سے پہلے ساجن
لے گئے کیچھی کانے
ساجن پیچھے سکھ ملے گا
گر تو سُنی جانے

(۳۰)

اپ رونا بیکار سکھی ری
 جاگی تو نہ سوریے
 ہوئی کیوں ہو شیارند
 جب ڈالے "جتوں" نے ڈیرے
 نگت تمہارے کون کرے گا
 "کچ دلات" کے پھیرے
 غافل بن کر تو نے گنوائے
 اپنے "پنهوں" کے پیرے

(۳۱)

کاش! سنوں کہ سار میں
 صد اساجن کی
 نقش پا کو ڈھونڈتے
 آگے جاؤں گی
 ٹوٹے کبھی نہ ڈوریا
 عمد و پیان کی
 کرے گا آس عنات کی
 پوری "پب دھنی"

(۳۲)

بیٹھ کے دیر نہ کر تو موز کھ!
چل ساجن کے اور
بن ساجن کے کچھ بھی ناہیں
غافل کر لے غور
نقش پا کو گرنہ پاؤ
توڑنہ آس کی ڈور

خوشحال خان خٹک
(۱۶۸۹ء - ۱۷۱۳ء)

مرتب
ڈاکٹر اقبال نسیم خٹک

خوشحال خان خٹک (۱۹۱۳ء۔ ۱۹۸۹ء)

راشد متنی

خوشحال خان خٹک نو شرہ کے نزدیک اکوڑہ نای قبے میں پیدا ہوئے وہ خٹک قبیلے کے سربراہ تھے۔ اور انہوں نے کچھ عرصہ کے لئے مغلیہ حکمرانوں کے لئے بھی خدمات سر انجام دیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں حلبی شاعر کے طور پر بھی یاد کیا جاتا ہے جنگی ملا جھوٹوں کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے قلم کو بھی تکوار کی طرح استعمال کیا۔ اور اپنے گرد اگر دچھلی ہوئی دنیا میں اپنے انکار کی جزیں مضبوط کرتے رہے۔ مغل بادشاہ شاہ جہان نے انہیں اپنے ایک فوجی دستے کا سالار مقرر کیا اور انہوں نے بخشش اور کاگذہ کی مہمات میں بڑھ کر حصہ لیا۔ بعد ازاں وہ اور نگزیب کے ساتھ مسلک ہو گئے اور لاتعداد مہمات میں شامل رہے۔

خوشحال خان خٹک مروجہ دینی اور دنیاوی تعلیم سے آراستہ تھے ان کی شعری تخلیقات میں ہندوستان کے عمری تخلیقی ادب کی تمام تر خصوصیات واضح طور پر نظر آتی ہیں ان کی شعری تخلیقات کو تین ادوار میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔ ابتدائی شاعری روحاںی تھکرات سے پر ہے۔ قیدی کی حیثیت سے کوئی ممکن نظیں صوفیانہ انداز میں مذہبی جذبات کی مختلف ادوار کی ترجمانی کرتی نظر آتی ہیں اور اس کے بعد کے دور کی نظیں صوفیانہ انداز میں مذہبی جذبات کی ترجمانی کرتی ہیں۔ ان کی شاعری میں قبائلی روایات و انداز کے ساتھ ساتھ اخلاقی، فطری اور انسانی حسن کی ترجمانی جا بجا نظر آتی ہے۔ روحاںی تھکرات اور آزادی پر مبنی موضوعات کو انہوں نے اپنے پر قوت انداز میں اس طرح ادا کیا کہ ان کی شاعری عوام الناس میں بے پناہ مقبولت حاصل کرتی نظر آتی ہے۔ اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود ان کے گیت آج بھی جھوپوں اور چوپالوں میں اپنی تائیں بکھیر رہے ہیں۔ پشوچانے والا ہر شخص اپنے بنے

میں خوشحال خان خنک کی شاعری کا کچھ نہ کچھ حصہ لازمی طور پر سنبھالے بیٹھا ہے۔ خوشحال خان کی شاعری میں عربی الفاظ و اصطلاحات بعض قرآن کے مطالعہ سے ہی نہیں آئے بلکہ ان کا گمراہ مطالعہ عربی کے ساتھ ساتھ فارسی زبان کی بے ساختہ شعری تیہمات کو بھی اپنی شاعری میں لے آیا۔ ان کی شاعری میں زباندانی کے تجربوں کے ساتھ ساتھ سرادر لے میں ہم آہنگی بھی واضح طور پر نظر آتی ہے۔ انہوں نے عربی شاعری کی صنف بیت کو زیادہ تر اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ جو کہ نہ صرف پہنچو زبان میں بلکہ لاقعہ اور دوسری زبانوں میں بھی بے پناہ مقبول ہے اگرچہ جنگ و حرب ان کا پیشہ تھا لیکن شاعری بیٹھے نازک ہڈپے کو انہوں نے اپنے آپ سے الگ نہیں ہونے دیا۔

اور انگریزبی کے زمانے میں شہنشاہ نے یوسف زلی قبائل کو زیادہ ترجیح دینی شروع کر دی اور خوشحال کو گرفتار کر کے جنپور کے قلعہ میں سلاخوں کے چھپے دھکیل دیا۔ قید و بند کی صعوبتوں کے بعد خوشحال خان خنک کی تمام تر زندگی مغلوں کے خلاف مسمات میں بس رہوئی اور انہوں نے پہنچون قبائل کو متعدد کرنے کا بیڑا اخایا۔ ان کی اس دور کی نظمیں بادشاہی نظام کے خلاف اور قبائل کے اتحاد کے لئے جدوجہد پر بھی مصائب پر مشتمل ہیں اسی دور کی نظموں میں، پہنچون تشخص کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اخلاقیات، تصرف، اقتدار اور روایات پر بھی ان کی شاعری آج تک زبانِ زد خاص و عام ہے۔ خوشحال خان خنک نے ہلاء و ملنی کے عالم میں ۱۹۸۹ء میں وفات پائی اور اپنے پسندیدہ گاؤں سراۓ اکوڑہ میں دفن کیے گئے۔

راحت اور دولت میں دوست بہت ہوتے ہیں

آسودہ حالی اور فارغ البابی میں
دوستیاں بہت ہوتی ہیں
مگر تکلیف اور آزمائش میں
دوست کہاں ملتے ہیں؟

نہ ہمیشہ بمار رہتی ہے اور نہ خزان
یہ زمانے کا دستور ہے
کہ یہاں ہر ایک چیز آنی جانی ہے
میں ایک آزمائش سے تو
دعاؤں کے سارے نجات حاصل کر لیتا ہوں
کہ آسمان پھر نئے فتنے بپا کر دیتا ہے

اس دور کے دوستوں کا کیا بھروسہ
دیکھتے ہی دیکھتے بہترین دوست
اغیار بن جاتے ہیں
اپنی جاہ و حشمت کے خیال سے
تجھے جن لوگوں کی طرف آنکھ اٹھانا بھی گوارا نہ تھا
اب اپنی لوگوں کے منہ سے

ناگوار باتیں سن رہا ہوں
 خواہ اس کی نشوونما
 شد و شکر سے کیوں نہ کی جائے
 پھر بھی ذاتے کی شیرتی میں بیرے
 کھجور نہیں بن سکتا
 اگر اسے لعل و جواہر سے مکمل بھی کیا جائے
 پھر بھی جوتے دستار کا مقام حاصل نہیں کر سکتے
 تم اسے زندگی ہی میں
 خوشحال کے دل سے نکالنا چاہتے ہو
 تمہاری ناالنصافیوں کو میں
 قبر میں بھی نہیں بھلا سکوں گا

جب باغ میں پھول کھلنے کا موسم آتا ہے

جب پھول کھلنے اور باغ کے میکنے کا موسم آتا ہے
 اور چمن میں نرم نرم پھوار پڑنے لگتی ہے
 اس شخص کی قسم سے کون ہمسری کرے گا
 جو ایسے وقت میں باغ کی سیر کرتا ہو

آج میری قسم میرے ساتھ یا وری کر رہی ہے
 خدا کرے کہ قسمت ہمیشہ اسی طرح مددگار ثابت ہو

آج میرا قیام ایسی جگہ ہے
 جس کی تعریفیں ہندوستان میں بھی ہوتی رہی ہیں
 ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر
 بزرگوں کی نظر اعانت پڑی ہے
 اسے لیے میں یقین سے کہ سکتا ہوں
 کہ یہ ساری دنیا میں شرست پائے گا

اس کے سبزہ زار میں آب روائی بہتا چلا جاتا ہے
 اور اس کے سبزے پر جو بار کے نغمے ڈلتے رہتے ہیں
 اپے پاک و شفاف اور روائی پانی کے دیکھنے سے
 کشیمیر کے شالیمار کو بھی
 خجالت محسوس ہونے لگتی ہے
 بندے کی آنکھوں کو روشن
 اور دل کو مسرور کر دیتا ہے

جس وقت فواروں کا پانی پھیل کر بکھرنے لگتا ہے
جب پانی اوپر سے نیچے کی طرف آتا ہے
تو یوں لگتا ہے

جیسے اطراف میں سفید موتی منتشر ہو رہے ہوں
جس جگہ سفید سنگ مرمر کے فوارے بنائے گئے ہیں
اس جگہ پر ارم کا منظر بھی قربان ہو

آپ کہیں گے کہ گویا آسمان گرج رہا ہے
جب آبشار کا پانی اوپر سے نیچے کی طرف گرنے لگتا ہے
جب اس کے حوضوں پر سے
کسی کا گزر ہو جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے
کہ گویا آئینوں کے اوپر سے گزر رہا ہے

مرغابیاں حوضوں کے اندر غوطے لگاتی ہیں
اور آدمی محل کے سامنے
بیٹھے بیٹھے باز کا شکار کھیل سکتا ہے
تم کہو گے کہ گویا یہ نمروڈ کی آگ کے شعلے ہیں
جب سرخ لالہ چمن میں کھل کر پھیل جاتے ہیں
سہ بُرگ کچھ عجیب ہنرمندی سے بنائے گئے ہیں
ان کا فرق کنارے پر معلوم ہو جاتا ہے
چمن کی ہر طرف پھول ہی پھول مکھلے ہوئے نظر آتے ہیں
مگر چمپا اور چینیلی کا منظر ہی کچھ اور ہے
اس باغ میں پھولوں کی کوئی کوئی نہیں
مگر سب کا شکار کوئی کیسے کرے

صد بُرگ ہیں کہ بُنھے ہیں یا ارغوان ہیں
ہر ایک پھول کے نظارے سے دل کو روحاںِ سکون ملتا ہے
اس تعظیم صانع کی صنعت گری کے صدقے جاؤں
جس نے اس فُرم کی حسین نقش و نگاری کی ہے

اس کے تمام درخت آسمان سے ہمسری کرتے ہیں
گران میں ولے اور چنار کے درخت خاص نمایاں ہیں
یہاں پرندے ہزار ہا قسم کی آوازیں نکلتے ہیں
جس وقت چنار کے درختوں میں یہ چھمانے بلکتے ہیں
یہ (درخت) پرندوں کی نغمہ سرائی سے ملتے ہیں
نہ کہ یہ ہوا کے چلنے سے جھوٹتے ہیں

اس میں ایک سفید محل تعمیر کیا گیا ہے
اور اس کے ہر مکان کے اندر سے
نمر کے پانی کی آواز سننے میں آتی ہے
اس میں دو سو یا تین سور ویس بنائی گئی ہیں
اور ان کی سفیدی کے آگے
اور چونار کی سفیدی بھی ہیچ دکھائی دیتی ہے

اس کی ہوا اس قدر صحت بخش ہے
کہ اس میں اسی سال کا مريض بھی صحت یاب ہو گا
کیا عجب اگر اس میں بوڑھے بیٹھ جائیں اور جوان ہو جائیں
اس باغ کی ہوا پر مجھے اتنا اعتماد ہے

یہ مکان کو
بہشت میں شامل کر لیا جائے گا
اگر رضوان کو اس کی نشاط کا پتہ چل جائے
اس کی کماحتہ تعریف کرنا
قلم کی بس کی بات نہیں
اور اگر میں تعریف کی تفصیل بیان کرنے لگوں تو مبالغہ ہو گا

اس کی بنیاد آصف خان کے ہاتھوں رکھی گئی
اب خرم (شاہجہان) کے حکم سے اس میں کام ہو رہا ہے
ایک ہزار انسٹھ سن بھری (۱۰۵۹ھ) تھا اور نور روز کی بارہویں تاریخ تھی
کہ میں نے یہ اشعار موزوں کیے
”خوشحال“ پر اتنا کہنا لازم تھا جتنا کہ بیان کیا گیا
اس کے علاوہ مزید تفصیل کی اجازت عقل نہیں دیتی

تیری جستجو میں کوتاہی ہے

اے درویش!

مجھے تیری جستجو میں تاہل پسندی نظر آتی ہے
اس لیے تو اس گھر (دنیا) کے حصے سے محروم رہا ہے

ہر سو نعمتوں کا جال بچھا ہوا ہے
اور ڈھونڈنے والے پر کوئی پابندی نہیں

اس دنیا میں جتنی طلب ہو اتنا ہی ملتا ہے
بلکہ بعض اوقات طلب سے بھی بڑھ کر ملتا ہے

ان لوگوں کو شد کی شرمنی کب نصیب ہوتی ہے
جو شد کی مکھی کے ڈنگ سے ڈرتے ہوں

طبیب کی تلاش بر وقت کرنی چاہئے
اگر تجھے اس دنیا میں

روحانی عوارض سے زندہ رہنے کی خواہش ہو
مجھے کسی بھی دین میں وفاداری نظر نہیں آئی

مجھے ہر ایک دن اور کیش کا علم ہے
جس تیر سے ججھے زخم لگا دیکھا تو

میرے بدن پر لگا ہوا تیر
میرے اپنے ہی ترکش کا تھا

مجھے کسی دوسرے کے ہاتھ سے
زیادتی کی نہ فکر ہے اور نہ ڈر

جب تک میرے ہاتھوں سے
کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو جائے

بہت سے لوگ آئے اور ہوا کی طرح گزر گئے

جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے
 بہت سے لوگ اس دنیا میں آئے
 اور ہوا کے جھونکوں کی طرح اڑ کر چلے گئے
 اسی طرح ہی آجاتے ہیں اور گزر جاتے ہیں
 اور کسی جگہ مستقل قیام نہیں کرتے
 یہ (دنیا) عجیب و غریب قسم کا کارخانہ ہے
 جسے ایک عظیم استاد نے پیدا کیا ہے
 پانی کے بلبلے پر غور کرو
 کیا بلبلہ اور کیا اس کی بنیاد
 تو اپنے معاملے کو اس طرح خیال نہ کر
 میں نے تو فقط ایک اچھی مثال
 بطور ثبوت پیش کی ہے
 تو اپنی حقیقت سے آگاہ نہ ہوا
 افسوس! افسوس! افسوس
 تم کس چیز سے اتنے پریشان ہوتے ہو
 اور پھر کس چیز سے اتنے خوش ہو جاتے ہو
 اے ”خوشحال“! یہ جو اتنے بے شمار مصائب جھیل رہا ہے
 یہ تیرا دل ہے کہ فولاد کا کوئی نکلا؟

یہ تمہارے رخسار نہیں ہیں بلکہ.....

تمہاری کالی زلفوں کے نیچے
یہ تمہارے رخسار نہیں ہیں
بلکہ یہ تو پھولوں پر

سنبل کی تازہ پتیاں پزی ہیں
مجھے مدتوں سے جس آنی تلاش تھی
آخر قسمت کی مریانی سے
وہ محبوب مجھے ملا

جس کی تعریف کے سب گن گاتے ہیں
خواہ وہ فیس تھا، وامق تھا کہ خرو
جو بھی دل کے معاملے میں گرفتار ہوا
اس پر سینکڑوں رحمتیں ہوں

دیگر لوگ فانی ہیں
فقط وہی باتی ہیں
جن کی یادیں اس فانی دنیا میں
آنے والے وقتوں میں تازہ ہوتی رہیں

اور باتیں چھوڑ دو
یہ صرف اپنے لیے ایک نصیحت ہے
گم کو دیکھو اگر کوئی ہستا ہے
تو خود بخود روتا بھی ہے
دیکھو! تم کہاں ہوتے ہو
اور "خوشحال" کن ملکوں میں پڑا ہے؟
پھر بھی میرے دل پر
تیری کالی زلفوں کی رسیاں لڑک رہی ہیں

وہ جو بڑھاپے میں جوانی کی ہوس رکھتا ہے

بوڑھا آدمی

جب جوانی کی ہوس رکھتا ہے

اسے کہہ دیجئے کہ یہ تو تم انتہائی شرمندگی کی حرکت کرتے ہو

چونکہ اس پر بڑھاپے اور جوانی کا دور

ایک ہی سال میں آگر گزر جاتا ہے

اس لیے آدمی کے معاملے سے سپند کا معاملہ اچھا ہے

کبھی کھانا کھا کھا کر تو اتنا سیر ہو جاتا ہے

کہ مزید کھانے کو جی نہیں چاہتا

اور کبھی حریص نگاہوں سے کھانے کو تکتا رہتا ہو

لوگ ہیں کہ نیتوں، باتوں اور ہاتھوں کے ساتھ

ایک دوسرے کے ساتھ

مشت و گربیان ہیں

اب جبکہ میری داڑھی سفید ہو چکی ہے

تو مجھے موت کا کیا ڈر

میرے احباب تو سیاہ بالوں (عالم جوانی) میں

مجھ سے بچھر گئے ہیں

جن لوگوں کا فرمان روئے زمین پر چلتا تھا

آؤ اور دیکھو کہ وہ زیر زمین پڑے ہیں

غور سے دیکھو تو یہ دنیا

دوڑتے لڑکتے ریت کی مانند ہے

بس یوں ہی اللہا مللتا رہتا ہے

مجھ "خوشحال" نے تقدیر کا تنور دیکھ لیا

اس میں خشک و تربلا تفریق جلتے ہیں

میں راستے پر جا رہا تھا کہ

میں راستے پر جا رہا تھا
کہ مجھے ایک حسینہ ملی
وہ شوخ، غمزہ زن، خندان رو اور خود آرائھی

اس کی شکل و شباءت عورت کی تھی
مگر عادات و اطوار پریوں کے تھے
اس کا بدن چاندی کی طرح سفید
مگر دل پھر کی طرح سخت تھا

ہم ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے
شر میں داخل ہوئے مگر وہ مجھ سے پچھڑ گئی
اب میں بخارا کی گلی گلی میں اسے تلاش کر رہا ہوں

اس کا حسین بدن بہت زیادہ نشانیاں رکھتا ہے
مگر میں ان میں سے چند ایک نمایاں نشانیاں
تمہیں بیاں کرنا چاہتا ہوں

دراز قد اور نو خیز ہے
قامت میں سرو جتنی بلند
اور کمر بال کی مانند باریک

اس کے رخسار
گلاب کے پھولوں سے بھی زیادہ حسین ہیں
اس کے دانت در گوہر، لب گویا شکر
اور اس کے ابرو کمان کی طرح ہیں

اس کی کالی پلکیں گوپا تیر ہیں
اور اس کی دونوں آنکھیں خونخوار ہیں
اس کی ناک چنیلی کی کلی
اور ذقن سیب کی مانند ہے

اس کے چہرے کے خالِ مفک افشاں
اور اس کا چہرہ چاندنی کا نکڑا دکھائی دیتا ہے
جو اہرات اور موتیوں کا دوہرا ہار
گلے میں لٹکائے ہوئے ہے
اس نے اپنا ساہ اور بل بڑے سلیقے سے سجا رکھا ہے
اور اس کی زلفیں غبر بیز ہیں
اس کے بدن کے سارے کیڑے گلائی رنگ کے ہیں
جن پر طلائی کشیدہ کاری کی گئی ہے
وہ ایک شعلہ جو الہ تھا
خدا کے واسطے اگر اسے کسی نے دیکھا ہے
تو مجھے اس کا پتہ بتا دے
اے میری قسم! ہمیشہ کی طرح
تو اب کی بار بھی میری مدد کر
اور مجھے اس گشیدہ حسینہ کی کوئی نشانی بتا دے

تم اپنے دونوں لب کھول تو دو

تم اپنے دونوں ہونٹ کھول دو
اور اپنے عاشق کے لئے موئی بکھیر دو
جب میں تمہارے رخسار پر نظر ڈالتا ہوں
تو میرا دل باغ میں جانا پسند نہیں کرتا
پھول کی پسکھڑوں پر
خجالت کا پیسہ نمودار ہونے لگتا ہے
جب وہ تیرے چہرے کی طرف دیکھ لیتا ہے
ممکن ہے تو میرے ہاتھ آجائے
میں اپنی باری کا انتظار کر رہا ہوں
محبوب وفا کرے یا جفا کرے
یہ راز اغیار پر کھلنے نہ پائے
تم آئینے کو غور سے دیکھو
اگر تیرا دل گلزار کی سیر کرنا چاہے
اے خوشحال! تو کس کے سامنے فریاد کر رہا ہے
جبکہ کوئی بھی تیری فریاد سننے والا نہیں

جب میں نے تیری کالی آنکھیں دیکھ لیں

میں نے تیری کالی آنکھیں دیکھ لیں
اب میں ان آنکھوں کو
کبھی نہیں بھلا سکوں گا

تیری آنکھیں یا تو باز کی ہیں
یا مور کی اور یا شاہین کی
یا اگر دیکھا جائے تو
کالے ہرن کی آنکھوں کی مانند ہیں

جس طرح کسی مرغزار میں ہرنی کے پچھے پال رکھے
یہی کیفیت تیرے بھرے اور بل کے سائے تھے
تیری آنکھوں کی ہے

جس طرح کہ اسلحہ میں ڈوبے ہوئے سوار
کندھوں پر نیزے اٹھائے میدان جنگ کی طرف جا رہے ہوں
یہی منظر تیری آنکھوں کی
لبی لبی پلکیں بھی پیش کرتی ہیں

جس طرح کوئی شراب کے پیٹے سے مست ہو جائے
اسی طرح تیری نیشی آنکھیں دیکھ کر
میں مست ہو جاتا ہوں

شیخ ہوں، زاہد ہوں یا عابد ہوں
تیری آنکھیں
ان سب کے دلوں کی چور ہیں

اے خوشحال! تجھے جس کی ملاقات کی تمنا تھی
وہ تیرے سامنے ہے
اب اسے آنکھیں بھر کر دیکھ لو
بشرطیکہ تیری آنکھیں نابینا نہ ہوں

ہر سو پھول کھلے ہیں

ہر سو پھول کھلے ہیں
لالہ و نرگس ہیں اور سنبل بھی
ایسے موسم میں اگر کوئی
باغ کے علاوہ کسی دوسری جگہ چلا جائے تو برا کر رہا ہے

بعض لوگ تو اپنے بیٹھا مال و دولت
اور سرمایوں کو لئے تیری طلب کرتے ہیں
اور بعض مصلوں سے لگوٹے باندھ کر
جھے ڈھونڈتے ہیں

کاش کہ قیامت کے روز
نیکی کا پلڑا بھاری نکلے
تم رقبوں کے لئے موم
اور عاشقوں کے لئے سندل بن جاتی ہو

اسے قتل کرنے کے لئے
دہلی کے لاو لشکر پہنچ گئے
مگر ایک تو ہے کہ "خوشحال" کو "بیچارہ" جان کر
اسے قتل کرنے میں عار محسوس کرتی ہو

اے شیخ! میں تو شرایبی ہوں

اے شیخ! میں تو شرایبی ہوں
تو مجھ سے کیوں لڑتا ہے؟

قسمت کی تقسیم تو ازال سے ہوئی ہے
کاش تم مجھے بھی اپنے جیسا بنا سکو

اے واعظ! تمہاری باتیں بست قیمتی ہیں
اللہ تعالیٰ تیری زبان پر برکت نازل کرے
تم یقیناً اچھے ہو کیونکہ تم اپنی باتوں سے دریا کا پانی منجد کر دیتے ہو
وہ لوگ جو دانائی سے بے خبر تھے

جنت میں چلے گئے
جو لوگ عالمی دنیا کی ڈینگیں مارتے تھے
وہ دوزخ چلے گئے

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت
ابو جہل کے کام نہ آئی
جن لوگوں کے دل کے آئیں کو
اللہ تعالیٰ خود زنگ لگائے
انہیں کون صیغہ کرے گا؟

اے شیخ! تو مجھے خلوت میں بیٹھنے کا فائدہ تو بتا
تو اس وسیع دنیا کو خود پر زنگ کیوں کرتا ہے
مجھے تو ہر ایک مذہب میں درودل کی تلاش ہے
تم جانو اور تمہاری باتیں
جو طرح طرح کے افسانے گھرتے ہو

اے مطرب! آجانوروز کا سرور آغاز کر
اور رباب و چنگ و نے میں
سو ز سے بھرے نغمے بھردے

تم نے کس انداز میں زلفوں میں خم بنا دیے

تم نے کس انداز میں
اپنے گیسوں میں خم بنا دیے
کہ تو نے بستیوں کی بستیاں
الٹ کر کے رکھ دیں

اس کی کالی زلفیں زنجیریں ہیں

اور اس کا چہرہ کعبہ ہے

اگر تم حج کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہو
تو ان زنجیروں کو دونوں ہاتھوں سے تھام لو

اگر یہ زنجیر لحظہ بھر بھی تیرے ہاتھ آجائے
تو پھر تم ہمیشہ کے لئے

اپنے دل کے حال پر خوش رہو گے

تم اس وقت کی کیفیت کی لافزی کرو

جب تم خداۓ واحدہ لاشریک کے تصور کے علاوہ
بائی تمام باتیں دل سے نکال دو

میں تیری خاطر نام و نگ سے بھی گزر گیا

تم کب تک میرے دل کے معاملہ میں
مجھے دھمکیاں دیتی رہو گی

میں جب قندو گل کی بات کرتا ہوں

تو اس سے میرا مقصد یہ ہوتا ہے

کہ تم چند دشnam آمیز بوسے مجھے عنایت کر دو

”خوبحال“ کا دل اپنی زندگی سے بیزار ہوا

کیونکہ تم غزرے کا تنقیج مجھ پر چلانے میں
پس و پیش کر رہی ہو

پھر مغنی کارباب نغمہ سرا ہے

پھر مغنی کارباب نغمہ سرا ہے
 اور ہر نغمہ میں نئی نئی حکایتیں بیان کرتا ہے
 شیخ صویعے کے گوشے میں خلوت گزین رہے
 اور میں پھولوں کی سیر کروں گا
 کیونکہ بمار کے پھول
 مجھے یہی اشارہ دے رہے ہیں

بھکاریوں کو پیش ہی کاغم کافی ہے
 اور پادشاہوں کو اپنی سلطنت
 اور مملکت کی فکر کرنی چاہئے

وفا کے دوران اس کے مروکرم کا کیا کہنا
 جب جفا کے دوران وہ اتنی مربیان ہوتی ہے

اس کے روٹھ جانے پر میں
 خوشی اور غم کے ملے جلے جذبات کا
 شکار ہو جاتا ہوں

جس طرح کہ کوئی کسی کا
 شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ گلہ
 بھی کرتا جائے

یہ میری خوش بختی کی علامت نہیں تو اور کیا ہے
 کہ وہ رقیب سے اس حد تک شکایت کرنے لگی ہے

اگر حسینوں کے وصل کی چاہت گناہ ہو
 پھر تو "خوشحال خلک" ساری عمر یہی گناہ کرتا رہے گا

تجھے آسمان کے جو روستم کی کیا خبر.....

تجھے آسمان کے جو روستم کی کیا خبر؟
میرے دل میں کئی قسم کے غم ہیں

جن لوگوں کے سر ہمیشہ میرے پیروں پر پڑے رہتے تھے
آج وہی لوگ میرے سر پر پاؤں رکھتے ہیں

جو ہمیشہ میری مہربانی کی آس لیے بیٹھے رہتے تھے
اب وہ مجھ پر اپنی نوازشات کا احسان جتا رہے ہیں

وہ لوگ جو میرے مرہم کی بدولت دنیا میں سلامت پھرتے ہیں
وہی لوگ میرے مرہم کا سخراڑاتے ہیں

میں کن کے لئے شمشیر زنی اور خامہ آرائی کروں اور ان کا قدر دان کون ہے؟
خدا ان تکواروں اور قلموں کو آگ میں جھونک دے

یہ نگ افغانی فقط میری ذمہ داری نہیں
پہاڑوں اور میدانوں میں اور بھی بے شمار پشتوں بنتے ہیں

یا تو سب مغلوں کے درم سے دست کش ہو جائیں گے
یا میں بھی درم ہاتھ میں تھام لوں گا

جو مغلوں کا شور بہ کھاتے ہیں وہ سب کتے ہیں
میں کتوں کے کیا کیا نام لوں گا؟

خنک ہیں کہ بیکش ہیں یا اور کزنی ہیں
ان سب کے گھروں میں باری باری ماتم بہپا ہو
یا تو انتقام کا غصہ سب پر ٹھنڈا کروں
اور یا پھر نگ کا یہ شیوه چھوڑ دوں
میں غیروں سے کیا گلہ کروں
جب میرے اپنے ہی میرے درپئے آزاد ہیں
نا فرمان بیٹا کسی کے گھر میں پروان نہ چڑھے
جو اپنے والد کو اذیت پہنچانے کی قسم کھائے
جب شاعر کو اپنے کسی غلط شعر کا علم ہو جاتا ہے
تو وہ اس غلط شعر کو فلمزد کر دیتا ہے
میں چیران ہوں کہ میرے ساتھ اپنے اور پرائے
اس قسم کی عیاری، جادوگری اور چالبازی کیوں کرتے ہیں
اگر میں اپنے دل کے غم قبر میں لے جاؤں
تو میری قبر ماتم خانہ بن کر رہے گی

خرزان

جب میزان (۲۱ ستمبر تا ۲۰ اکتوبر) کی تحویل ہونے لگتی ہے
تو موسم سرما اپنا نشان (جھنڈا) دکھانے لگتا ہے

اس کا نشان کیا ہے سیل کا ستارہ
جو آسمان پر نمودار ہو جاتا ہے

گرمی کی ماری ہوئی بیمار دنیا میں
پھر سے زندگی عود کر آتی ہے

خوراک میں لذت آجاتی ہے
اور پانی بھی طبیعت پر موافق آنے لگتا ہے

مشتاق لوگ لب سے لب
اور پہلو سے پہلو ملا کر سوتے ہیں

کپڑے کی اہمیت نمایاں ہو جاتی ہے
اور عراقی گھوڑے زین قبول کرنے لگتے ہیں

نہ توجوان زرہ بکتر کی وجہ سے خود کو بوجھل محسوس کرتا ہے
اور نہ گھوڑوں کو برگتوں بھاری محسوس ہوتا ہے

شکار کے شو قین لوگوں کے دلوں میں
ان دنوں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے

شمال کے تمام پرندے
جنوب کی طرف کوچ کرنے لگتے ہیں

سوات کی طرف سے اچھے باز
سیاحت پسند جو گیوں کی طرح وارد ہو جاتے ہیں

چاند کی روشنی میں کونجیں
فضاؤں میں آوازیں دینے لگتی ہیں

قازیں، بطنیں اور مرغابیاں
سینکڑوں کی تعداد میں جگہ جگہ پھیل جاتی ہیں

چکور میدانی علاقوں میں اتراتے ہیں
اور کھیتوں میں دہقانوں کا دانہ چکتے ہیں

تمور بھی کھمبیوں کی طرح
خود کو میدان میں ظاہر کرنے لگتے ہیں

شاہین ہو کہ چرخ یا باز ہو
میر شکاری انہیں اٹھا لیتے ہیں

صد برگ کے پھول کھل جاتے ہیں
جو رنگ میں زعفران سے بھلے لگتے ہیں

کوئی شکار کا شوق لیے پھرتا ہے
اور کوئی باغ کی سیر کرتا ہے

عباسی کے پھول دو تین رنگوں
یعنی سفید، زرد اور ارغوانی میں کھل جاتے ہیں

چینیلی کے پھول کی خوشبو
ہر ایک درخت کے پہلو سے آتی ہے

اس وقت بزہ کے ساتھ ساتھ
رسیحان بھی عجیب سال پیش کرتا ہے

ہر ایک درخت میں طرح طرح کی
نرم نازک شاخیں نظر آنے لگتی ہے

بلبل ہیں کہ طوٹے
ہر طرف چھماتے رہتے ہیں

اس موسم کی ہوا کا کیا کہنا
یہ جنت کے بغیر کسی دوسری جگہ نہیں ملے، گی

اگرچہ کہوں تو اس موسم کو
بھار کے موسم پر برتری حاصل ہے

اس موسم میں رہائی ملتی ہے
اور بھار کا موسم زندگی کا باعث بنتا ہے

”خوشحال“ تیری بہت زیادہ قدر کرتا ہے
اے سرخ ستارے! تو اس کی جان ہے

جب وہ تجھے دیکھ لیتا ہے
تو اسے بہت زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے

(1) اپنی ایسی اور رہائی کی طرف اشارہ ہے

مجزات

حضرت عیسیٰ نے پوری زندگی میں
کسی ایک نادان کو دانا نہیں بنایا

ہر چند کہ وہ مجزے کی دولت
نابیناؤں کو بینائی عطا کر سکتا تھا

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے روز
ازل سے بینائی سے محروم رکھا

یہ کس کی بس کی بات ہے
کہ نادان کو دانا بنادے

نادان اگر کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ بھی لے
تو اس کا حال وہی ہوتا ہے

جس طرح کہ کسی سفید ریش بوڑھے کے
بالوں کو خضاب لگا کر اسے جوان بنایا جائے

قید خانہ سے پیغام

اے باد نیم!
 اگر خیر آباد سے تیرا گزر ہو جائے
 یا سرائے اکوڑہ کے دریا (کابل) کے
 علاقے پر سے تو گزر جائے
 انہیں بار بار میرا سلام عرض کرونا
 اور ساتھ ساتھ میری طرف سے
 آداب و تسلیمات بھی بجالانا
 دریائے سندھ کو با آواز بلند پیغام دینا
 اور لندے (دریائے کابل) کو
 زم لجھ میں کہ دینا
 ممکن ہے مجھے پھر تمہارے
 جام نفیس ہو جائیں
 میں ہمیشہ کے لئے تو گنگا جمنا کے دلیں میں
 نہیں رہوں گا
 جب ہند میں پہاڑوں کا ٹھنڈا اپانی نہیں ملتا
 یہ نعمتوں سے بھرپور سی
 اس سے میری توبہ ہے
 اے ”خوشحال!“ تو ہمیشہ کے لئے
 تو ہند میں نہیں رہے گا
 انجمام کار گنہگار جنم سے نکل جائے گا

آدم خیل دوشیزا میں

آدم خیل آفریدیوں کی دوشیزا میں
 سرخ و سفید ہوتی ہیں
 ان میں سے بعض تو نہایت حسین
 اور جاذب نظر ہوتی ہیں
 ان کی آنکھیں موٹی، پلکیں دراز
 اور ابرو کشادہ ہوتے ہیں
 وہ شکر لب، گل رخسار
 اور مہ جبیں ہوتی ہیں
 ان کے دہن کلی کی طرح تنگ
 اور دانت ہموار ہوتے ہیں
 ان کے سر گول اور ان گول سروں پر
 کالی عنبرین زلفیں لمراتی ہیں
 ان کے بدن انڈے کی طرح
 بالوں سے پاک ہوتے ہیں
 ان کے پاؤں چھوٹے چھوٹے
 پنڈلیاں گول اور سر کے بال بکھرے ہوتے ہیں
 ان کے پیٹ کھنچنے ہوئے
 سینے کشادہ اور کمریں پتلی ہوتی ہیں
 ان کے قد الاف کی طرح سیدھے
 اور تن چاندی کی طرح سفید ہوتے ہیں

اگرچہ میں باز کی طرح
پہاڑوں میں گھومتا پھرتا ہوں
اس لئے سیمیں تن چکوریوں کا
شکار بھی مجھے نصیب ہوا

باز چاہے جوان ہو یا عمر سیدہ
مگر غکار کی طلب کرتا ہے
بلکہ جوان باز کے مقابلے میں
بوڑھے باز کا حملہ زیادہ موثر ہوتا ہے

ماترے کے پہاڑ کا تیج و خم راستہ
سیدھا آسمان تک چلا گیا ہے
اس پر چلتے وقت پنڈلیاں
جواب دے جاتی ہیں

پانی یا تو دریائے کابل کا اچھا ہے
یا دریائے باڑا کا

جو پیتے وقت شربت
سے بھی زیادہ اچھا لگتا ہے

آدم خیلوں کے ساتھ میں
تیراہ کے راستے چلا آیا
میں نے انہیں بظاہر تو ہمی خوشی الوداع کہا
مگر میرا دل بہت پریشان تھا

اے ”خوشحال!“ محبت کا معاملہ بھی آگ کی مانند ہے
تو اگر اس کا شعلہ چھپانے کی کوشش بھی کرے
مگر اس کا دھواں چھپائے نہیں چھپتا

زمزمہ بھار

یہ بھار پھر کماں سے آئی
 جس نے ہر سو ملک کو ایک گلزار بنا دیا
 ارغوان ہیں، لالہ و چنیلی ہیں اور ریحان ہیں
 اسی طرح یا سکن ہیں، نسترن ہیں
 اور نرگس و گلنا رجھی ہیں
 بھار میں بیٹھا رپھول اور بھی کھلتے ہیں
 اور مختلف رنگوں میں کھلتے ہیں
 مگر سرخ لالہ ان سب میں نمایاں نظر آتا ہے
 دو شیزادیں پھولوں سے ہاتھ بھر بھر کر
 اپنے گریبانوں میں ڈال رہی ہیں
 اور جوانوں نے اپنی پیڑیوں میں گدستے سجائے ہیں
 اے مو سیقار! تو سارنگی پر کمانچہ چڑھا
 اور ہر تار اور ہر پردے سے نیانیا نغمہ نکال
 اے ساقی! آجا اور مجھے بھرے بھرے جام عنایت کر
 تاکہ میں نشہ میں سرشار ہو جاؤں
 پشتوں جوانوں نے پھراپنے ہاتھ رنگ لیے
 جس طرح کہ باز اپنے شکار سے پنج سرخ کر دیتا ہے
 انہوں نے اپنی سفید تلواریں
 خون میں گلکلوں کر ڈالیں
 اور اہاڑھ کے مینے میں لالہ زار کھل گیا
 ایمِل خان، دریا خان دونوں کو موت نہ آئے
 ان دونوں نے باری باری کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی
 انہوں نے درہ خیر کو خون میں رنگ دیا

اور کڑپہ میں بھی طوفان بپا کیا
 کڑپہ سے باجوڑ تک سارے میدان
 اور پیاڑ لرز رہے ہیں
 گویا ان سب پر بار بار زلزلہ آتا رہا ہے
 پانچواں سال پورا ہونے کو ہے کہ اس طرف
 ہر روز سفید ٹکواروں کی جھنکار سنائی دیتی ہے
 پہلی جگہ تترہ کی بلند چوٹی کی پشت پر لڑی گئی
 جس میں چالیس ہزار مغل ہلاک ہوئے
 ان کی بہنیں اور بیٹیاں پشتوںوں کے ہاتھوں اسیر ہو گئیں
 گھوڑے، اونٹ اور ہاتھی قطار اندر قطار
 مال غنیمت میں ہاتھ لگے
 دوسری لڑائی میر حسین کے خلاف
 دو ابne میں لڑی گئی
 جس میں اس کا سر سانپ کی طرح کچل دیا گیا
 اس کے بعد نو شرہ کے قلعے کی لڑائی ہوئی
 جس میں میں نے مغلوں پر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کیا
 اس کے بعد جسونت سنگھ اور شجاعت خان تھے
 جن کا دم خم ایم خان نے گنداب میں نکال لیا
 چھٹی لڑائی میں مکرم خان (میر محمد اسحاق)
 اور شمشیر خان (میر محمد یعقوب) دونوں شامل تھے
 جنہیں ایم خان نے خاپش میں تھس کر دیا
 جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے بڑی بڑی لڑائیاں یہی ہیں
 باقی رہیں چھوٹی لڑائیاں
 وہ تو ہر روز ہر طرف لڑی جاتی رہی ہیں

ابھی تک تو ہر جگہ ہمیں فتح و نصرت نصیب ہو رہی ہے
اس کے بعد اللہ مالک ہے
اس پر میرا بھروسہ ہے

ایک سال کا عرصہ ہوتا ہے
کہ اور نگزیب نے ڈیرے جمائے
مگر وہ بہت زیادہ پریشان اور دل گرفتہ ہے

ہر سال امراء آتے ہیں اور گرتے رہے ہیں
اور جو لشکر تباہ ہوئے ان کا تو کوئی حساب ہی نہیں

ہندوستان کے خزانے ہیں
کہ ہر جگہ گردش کر رہے ہیں
اور سونے کے مہر پہاڑوں کو چھید رہے ہیں

بادشاہ کی بد نیتی میں کوئی کمی نہیں
اور اسی بد نیتی کی بنا پر وہ
اپنے والد کے آزار کا مر تکب ہوا

یہی وجہ ہے کہ اب اس پر
کسی کا بھی اعتماد نہیں رہا ہے
وہ بد نیت بھی ہے، وعدہ خلاف بھی اور مکار بھی
اب تو ہمارے مابین کوئی تیسرا راستہ باقی نہیں رہا
یا تو مغلوں کو بوریا بستر لپیٹنا ہو گا یا پھر پستون
بے عزتی اور ذلت کی زندگی گزاریں گے

غزل

تم نے کہا کہ اب میں تمہاری ہوں اور تو میرا ہے
بات تمہاری پچی ہے یا جھوٹی
مجھے تو تو نے زندگی دے دی

تم بلا کی حسین اور بے نظیر محبوبہ ہو
کا شک کہ تم میں سندھلی کا یہ عیب نہ ہوتا

اگر ساری دنیا حسینوں کا مسکن ہو اور ہر سو محبوب ہی
محبوب نظر آئیں
پھر بھی تجھے جیسی زیبیا محبوبہ کا ملنا گویا مجذہ ہو گا

اتنے سارے قتل کر کے بھی تجھے کوئی غم نہیں
ہاں! جلا道 اگر سینکڑوں لوگوں کو قتل کرے
تو اس کی کیا پروا

جب میں تیرے باغ و بوستان سے
تیرے ہی ہاتھ سے پھول مانگوں
تو مجھے خس و خاشاک بھی دے
تو میں اسے پھول سمجھوں گا

جب تک "من بندہ عشق" زندہ ہے
میں ان زلفوں کا اسیر ہوں
جن کے ہر ایک تار میں ہمیشہ^{ہمیشہ}
سینکڑوں دل بندھے رہتے ہیں

بڑے ہیں یا چھوٹے سب تیرے وصل کے پیچے
دیوانے ہو رہے ہیں
اس شر میں کوئی بھی فرد ایسا نہیں
جو تجھ پر فریفتہ نہ ہو

سردے کا درخت دیکھو لحظہ بھر میں
نظروں سے گر جاتا ہے
جس وقت تم اسی قدو قامت کے ساتھ
باغ میں گھونٹے لگتی ہو

کل کی جنت تو ادھار کی جنت ہے
یہ زاہد اور ملا کو نصیب ہو
تیرے وصل سے "خوشحال" کو ہاتھوں ہاتھ جنت مل گئی

سلطان باہو
(۱۶۹۱ء-۱۶۳۱ء)

مترجم
مسعود قریشی

سلطان باہو (۱۶۹۱ء-۱۶۳۱ء)

راشد متن

چنگاب کے صوفی اکابرین میں سلطان باہو کو بھی متاز ترین مقام حاصل ہے۔ ان کا تعلق شاہ جہاں کے عمد کے ایک جاگیردار خاندان سے تھا جس کا تعلق چنگاب کے ضلع جنگ سے تھا۔ ان کے والد بایزید محمد ایک صالح شریعت کے پابند حافظ قرآن قیمہ، دیناوی تعلقات سے آشنا سلطنت دہلی کے منصب وار تھے باہو ۱۶۳۱ء میں جنگ کے موقع اعوان میں پیدا ہوئے انہوں نے ظاہری علوم کا اکتاف باقاعدہ اور روائی اندز میں نہیں کیا بلکہ زیادہ تر ابتدائی تعلیم اپنی والدہ سے حاصل کی۔ خودی ایک جگہ فرماتے ہیں کہ "اگرچہ میں ظاہری علوم سے خود مہم ہوں لیکن علم بالطفی نے میری زندگی پاک کر دی ہے۔" مرشد کی تلاش میں سرگردان ہوئے تو ان کی ملاقات شور کوٹ کے نزدیک گزہ بغداد میں سلسلہ قادریہ کے ایک بزرگ شاہ صبیب اللہ سے ہوئی۔ اور جب مرید مرشد سے بھی آگے بڑھ کیا تو مرشد نے انہیں سید عبدالرحمن کی جانب رجوع کرنے کا مشورہ دیا اور انگریزب کے عمد میں وہ سید عبدالرحمن سے ملنے دلی پسچے مگر معروضی حالات کی بنا پر ان کے عالمگیر کے ساتھ تھادات پیدا ہو گئے اسی بنا پر وہ دہلی سے واپس چلے گئے اور بقیہ زندگی روحانی ریاضتوں اور لوگوں کو رو روانی فیض پہنچانے میں بس رکی۔ وہ دوسرے صوفیاء کی طرح محض درویشان زندگی نہیں گزارتے تھے بلکہ ایک بڑے خاندان میں کے سربراہ کی دیشیت سے ان کی زندگی کا انداز بلاشبہ روائی صوفیانہ زندگی سے مختلف تھا۔ زندگی کے آخری دنوں میں انہوں نے سب کچھ ٹیکا ڈیا تھا۔

ان کی تصانیف کی طویل فرست عربی فارسی اور چنگابی زبانوں پر میط ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں نہ صرف مروجہ زبانوں پر عبور حاصل تھا بلکہ وہ نہ ہی علوم سے بھی کماحتہ فیض یا ب ہوتے تھے۔ ان کی شاعری میں ایک سرور انگریز مقدس آواز کی صورت میں لفظ "ہو" کا استعمال انہیں تمام صوفی شعراء سے متاز کرتا ہے۔ وہ ظاہر فلسفیانہ موشکافیوں سے پہیز کرتے اور سیدھی سادھی باتیں خطبیانہ انداز میں کے چلے جاتے جن کا مطالعہ بلاشبہ ہماری دیساتی دانش کا مطالعہ ہے ان کی شاعری سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ سلسلہ قادریہ کے دوسرے صوفیاء سے مختلف نہیں ہیں ایک جگہ لکھتے ہیں میں نہ تو جوگی ہوں نہ جنم نہ یہ سجدوں میں جا کر بھی بھی عبادتیں کرتا ہوں نہ میں ریا نہیں کرتا ہوں میرا ایمان محض یہ ہے کہ جو لوح غلطت کا ہے وہ لوح محض کفر کا ہے۔

سرچشمہ علوم و فیوض ہیں۔ مشور ہے کہ انہوں نے ایک سوچالیں کتابیں تصنیف کیں جن میں سے بہت سی کتابیں امتداد زمانہ کے ہاتھوں ناپید ہیں تاہم اب بھی ان کی بہت سی کتابیں دستیاب ہیں اور علماء نے ظاہر کے مقابلے میں سلطان باہو فقر کا تصور پیش کرتے ہیں جہاں علماء لذت نفس و دنیا میں جلا ہو کر نفس پروری کرتے ہیں اور لذت یادِ الہی سے بے گاہ رہتے ہیں وہاں فقراء شب و روز یادِ خدا میں غرق ہو کر امر ہو جاتے ہیں۔ ان کی شاعری میں ترک دنیا اور نفس کشی کے خیالات بکثرت ملتے ہیں۔ ان کے نقطہ نظر کے مطابق دین و دنیا و دل ایسی متفاہر قوتیں ہیں جن کے باہمی تفادات کو حل نہیں کیا جا سکتا۔ سلطان باہو کا وصال ۱۶۹۱ء میں ہوا۔

(۱)

الف اللہ چنیلی کا پودا ہے
 جو میرے مرشد کامل نے میرے دل میں کاشت کیا
 اس پودے کے ہر رگ و ریشے کی
 ہر مقام پر نفی اور اثبات (الا اللہ) سے آبیاری کی گئی۔
 یہ پودا جب میرے دل میں نشوونما پا کر مشکبو ہوا
 تو اس سے میری جان تک مرک اٹھی۔
 اے باہو! میرا مرشد کامل ہیشہ سلامت رہے
 جس نے ایسی مشکبار بولی لگا کر مجھے مرکادیا۔

(۲)

جب ذات احمد کی تجلیات کا قلب پر نزول ہوا
 تو میں خود سے فانی یعنی بے خود ہو گیا۔

فانی الذات ہونے پر
 نہ قرب و وصال کا احساس باقی رہانے مقام و منزل کا
 نہ وہاں جسم اور جان میں کوئی دوری تھی۔

محیت حق کے اس مقام پر
 نہ عشق و محبت اور نہ کون و مکان کا
 احساس باقی رہتا ہے
 کہ یہ سب دوری اور دوئی کی باتیں ہیں۔

اے باہو! ہم اس عالم میں
 اللہ تعالیٰ کی وحدت کا عین راز بن گئے۔

(۳)

ذات واحد میرے ظاہر و باطن میں جلوہ ریز ہے
باہو تو اسے کہاں تلاش کر رہا ہے۔

اللہ کی محبت کا درود داغ
میرے ہر سانس کو سوز عطا کیے ہوئے ہے۔

جہاں بھی ہو کی تجھی کا فرما ہو
اندھیرا وہاں سے فرار ہو جاتا ہے

اے باہو جس نے ہو کا عرفان حاصل کر لیا
دونوں جہاں اس کے غلام ہیں۔

(۴)

ایمان کی سلامتی کا ہر شخص طالب ہے
لیکن عشق کی سلامتی کے طالب صرف خاصان ہن ہیں۔

عام اور خام لوگ ایمان مانگتے ہیں اور عشق الہی سے شریاتے ہیں
اس صورت حال سے میرے دل میں غیرت نقر جاگ انھی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جس منزل اولیٰ کو عشق الہی پہنچا دیتا ہے
ایمان کو اس کی خبر تک نہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے عشق کو سلامت رکھے
میں اپنے ایمان کا واسطہ دیتا ہوں۔

(۵)

اگر مرشد کے مل جانے پر بھی دل کا درد نہ جائے
تو اسے پیر کیا بنانا۔

اگر مرشد مل جانے پر دل کو رشد و بدایت حاصل نہ ہو
تو ایسا مرشد لا حاصل ہے۔

جس ہادی سے بدایت کا فیض نہ ملے
اسے ہادی کیا بنانا۔

اے باہو، اگر سر قربان کرنے سے معرفت حاصل ہو
تو ایسی موت سے کیا ڈرنا!

(۶)

طالبان ناقص، علم ظاہری پڑھ کر
مشرخ کملاتے ہیں اور طویل عبادت کرتے ہیں۔

ان کے دل کی دولت لٹ رہی ہوتی ہے
اور ان کو احساس زیاد تک نہیں ہوتا

صرف طالبان حق ہی شاد و مطمئن ہوتے ہیں
تو دل سے غفلت کا جالا اتار دے

اے باہو! اللہ تعالیٰ صرف انہیں ملتا ہے
جنہوں نے اطاعت میں کوتاہی نہ کی ہو

(۷)

پانچ محل ہیں اور پانچوں روشن ہیں
میں عقیدت و محبت کا دیا کس میں روشن کروں

پانچوں ہی نمردار اور پٹواری ہیں
میں مایہ کس کو پیش کروں

پانچ امام اور پانچ قبلے ہیں
میں کس سمت سجدہ کروں

اے باہو! اگر حق تعالیٰ سر کی قربانی کا طلبگار ہو
تو اس میں ہر گز دیر نہیں کرنی چاہیے

(۸)

اے فقیر تمہارا جسم پے اللہ تعالیٰ کا جبرا ہے
اپنے اندر جھانک کر حقیقت کو پالے

تو زندہ جاوید ہونے کے لئے خواجہ خضر کا احسان مند نہ ہو
خود تیرے اندر چشمہ آب حیات ہے

اپنے تاریک دل میں شوق کا دیا روشن کر
شاید اس کی روشنی میں تجھے اپنا گم شدہ روحانی اثاثہ مل جائے

اے باہو! جس نے حق تعالیٰ کی رمز شود و وجود کو پالیا
اس کا نفس مرگ جسمانی سے پہلے ہی مر گیا
اور یوں اسے حیات جاوداں مل گئی

(۹)

حقیقی فقر کا مرتبہ جلدی حاصل ہو جاتا ہے
جب اللہ کے عشق میں جان قربان ہو جائے

اے عاشق الہی اپنا دل نفس اور جان
محبوب حقیقی پر قربان کر دے

اے درویش، خود نفسی اور ہستی موهوم کے بھگڑے چھوڑ
اور یہ لا حاصل بوجھ اپنے سر سے اتار دے

اے باہو! وصل حق مرگ نفس کے بغیر حاصل نہیں ہوتا
چاہے انسان کتنے ہی سوانگ بد لے

(۱۰)

دل جو چاہتا ہے وہ نہیں ہو رہا
آرزوئے دل کی تکمیل دور ہوتی گئی
محبوب حقیقی درد دل کی دوا عطا نہیں کر رہا
اور عشق اپنا رخ نہیں موڑ رہا۔

اس میدانِ محبت میں سوز آرزو
اور شوق دیدار کی آتش سے بلا کی تمیش ہے

اے باہو! میں ان سالکان راہِ محبت کے قربان جاؤں
جنہوں نے تمام صعوبتوں کے باوجود
عشق میں قدم آگے ہی بڑھایا

(۱۱)

جس دل نے متاع عشقِ حقیقی نہ خریدی
اس دل کا مقدر بد بختی ہے

استاد ازل نے مجھے عشق کا سبق پڑھایا
اور میرے ہاتھ میں لوح دل تمہادی

سبق یہ تھا کہ عشق میں سر پر کتنی ہی سختیاں پڑیں
اور جان پر بن جائے تو بھی اف نہ کرنا

اے باہو! ہر وقت توحید کا سبق پڑھ
تاکہ ذاتِ حقیقی کا وصل حاصل ہو

(۱۲)

جس بازار میں رتی بھر عشق بھی بک رہا ہو
وہاں ایمان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی

علم کتابی اور وردو و طائف سب کچھ
عشق کی دولت پر نچاہور کر دینا چاہئے

مرشد کی رہنمائی اور نظر عنایت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا
چاہے تمام راتیں عبادت میں گزار دی جائیں۔

اے باہو! موت سے پہلے ہی نفساتی خواہشات کو مار دینا چاہئے
تب ہی معرفت اللہ تعالیٰ حاصل ہوتی ہے

(۱۳)

عشقِ جنگل میں بھی حملہ آور ہوتا ہے
اور گھر میں بھی عقاب کی طرح جھٹپتا ہے

عشق جیسا کوئی صراف نہیں
جو دل کے سونے کی تمام ملاوٹیں ختم کر دیتا ہے

مالکِ حقیقی کے عاشقوں کو نیند اور بھوک نہیں ستابی
اور عاشقِ حقیقی ہمیشہ زندہ رہتے ہیں

اے باہو! زندہ جاوید جبھی ہوتے ہیں
جب مالکِ حقیقی کی رضا کے سامنے سرتسلیم خم کر دیں

(۱۴)

جن عارفان کامل نے محبوبِ حقیقی و امِ اللہ کے الن. میں پالیا
انہیں قرآن پاک کھوں کر لفظی طور پر پڑھنے کی حاجت نہیں رہتی

وہ اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں
ان کے لئے تمام حجابت اٹھ جاتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے بہشت اور دوزخ کو
ان کی غلامی کا حکم دیا ہے

اے باہو! میں ان کے قریان جاؤں
جو دریائے وحدت میں غوطہ زن ہیں

اے چاند، طلوع ہو کر ضیا بار ہو
ستارے تمہارا بہت ذکر کر رہے ہیں

لیکن تم جیسے کئی چاند بھی طلوع ہوں
تو میری دنیا تاریک ہی رہے گی
چونکہ محبوبِ حقیقی کے دیدار کے بغیر
ہمارے لئے کوئی روشنی نہیں

جس دنیا میں میرا چاند طلوع ہوتا ہے
وہاں تمہیں کوئی نہیں پوچھتا

اے باہو! ہم نے جس کی خاطر زندگی قربان کر دی
وہ محبوبِ حقیقی ہمیں ایک بار ضرور ملے گا

وحدت کے دریا تو موج زن ہیں
بس تیرے دل نے ہی فیض نہ پایا

وہ بھی ہیں جو بت خانے میں رہ کر بھی واصل ذاتِ حق ہو گئے
اور ایسے بھی ہیں جو مسجد و مکتب میں علوم ظاہری میں مکن
وصلِ حق سے محروم رہے

جب عشق ذاتِ حق زندگی کی بازی جیت لے
تو عالم و فاضل علم ظاہری کی فضیلت ترک کر دیتے ہیں

اے باہو! جو عشقِ حقیقی میں سب کچھ لانا نہیں دیتے
انہیں وصالِ حق نصیب نہیں ہوتا

(۱۷)

عشق کے موزن نے اذان دی
تو ہمارے کان میں بلاوے کی آواز پڑی

اذان کی پکار سنتے ہی ہم نے
خون جگر سے صاف وضو کیا

فانی اللہ کی سکبیر سن کر
نماز عشق سے روگردانی ہمارے لئے محال ہو گئی

اے باہو! سکبیر فاپڑھ کر ہم بھی اللہ سے واصل ہو گئے
جس پر ہم نے اس ذات پاک کا شکر ادا کیا

(۱۸)

میرا دل اللہ تعالیٰ کی قیام گاہ ہے
اس کے دیدار سے دل پھولوں کی طرح کھل انہا اور باغ پر بمار آگئی

دل کے اندر ہی نماز عشق ادا کرنے کے سب سامان
از قسم کوزے اور مصلے اور سجدہ گاہیں ہیں

میرے باطن میں ہی کعبہ اور قبلہ ہے
اور دل میں اللہ اللہ کی صدائیں ہیں

اے باہو! اللہ کا شکر کے مجھے مرشد کامل مل گیا
وہ خود ہی ہماری رہنمائی اور خبرگیری کرے گا۔

(۱۹)

میں کلمہ طیبہ کے پاک پانی میں نہاد ہو کر پاک ہوئی ہوں
اور کلمہ سے ہی میرا عقد یعنی عمر بھر کا ساتھ ہوا ہے

کلمہ طیبہ نے ہی میری نماز جنازہ پڑھی
اور انوار کلمہ سے ہی میری قبر منور ہوئی

کلمہ طیبہ پاک و صاف کر دیتا ہے
یہی میرا گواہ صفائی ہے
اسی کے بل بوتے پر بہشت میں جانا ہے۔

اے باہو! جنیں مالکِ حقیقی خود بلاۓ
انیں راہ حق سے مژنا محال ہے

(۲۰)

مرشد کامل ایسا ہونا چاہئے جو کدورت نفس کو
دھوپی کی طرح خوب پُخچ کر صاف کر دے
کامل مرشد محض نگاہ سے باطن کی تمام کدورتوں کو دھوڑاتا ہے
دھوپی کی طرح وہ کھاریا صابن کا محتاج نہیں

وہ آلوہ نفوس کو ایسا پاک کر دیتا ہے
کہ ذرہ برابر میل باقی نہیں رہتا

اے باہو! مرشد کامل تو ایسا ہونا چاہئے
جو اپنے مرید کے روئیں روئیں میں بتا ہو

(۲۱)

جب خالق کون و مکان نے روز ازل کن میکون فرمایا
تو ہم بھی وہاں قریب ہی تھے

اللہ تعالیٰ کی ذات مع صفات ربی ایک ہے
اور تمام دنیا اسی ذات واحد کی تلاش میں ہے

ایک ہی لامکان ہمارا مکان تھا
اور دنیا میں آکر ہم جلووں کی کثرت میں کھون گئے

اے باہو! پلید نفس امارہ نے ہمیں پلید کر دیا
ورنہ اپنی اصل میں تو ہم پلید نہیں تھے

(۲۲)

یہ فقیری نہیں کہ راتوں کو ہو حق کے نعرے لگا کر
سوئے ہوئے لوگوں کی نیند خراب کی جائے

فقیری یہ بھی نہیں کہ بہتی ندی سے
لوگوں کو تر ہوئے بغیر پار آتا دیا جائے

یہ بھی فقیری نہیں کہ ہوا میں مصلے کو معلق کر دیا جائے
یہ سب تو کر شہ بازی ہے

فقیر کا لقب تو اے باہو! ان کو زیب دیتا ہے
جو اپنے دل میں محبوب حقیقی کو بسالیں

(۲۳)

زبان سے تو کلمہ طیبہ کا ورد ہر مسلمان کرتا ہے
لیکن دل سے کلمہ بہت کم لوگ پڑھتے ہیں

جہاں دل سے کلمہ کا ورد ہو
وہاں زبانی کلمہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی

دل کا کلمہ صرف عاشق پڑھتے ہیں
اس مقام کو زبانی کلمہ پڑھنے والے کیا جائیں

اے باہو! دل سے کلمہ ہمیں ہمارے پیر کامل نے پڑھایا
اب میں دائماً ”نیک بخت ہوں

(۲۴)

عشق کی باتیں عجب ہیں
یہ ظاہرداری کی شریعت سے دور ہٹا دیتا ہے

جب عشق کا وار چل جاتا ہے
تو قاضی صاحبان بھی عمدہ قضاچھوڑ جاتے ہیں

نامحرم اہل خرد بہت سمجھاتے بجھاتے ہیں
لیکن عاشقوں کو پند و نصیحت پسند نہیں

اے باہو! جنہیں مالک حقیقی خود اپنی طرف بلائے
ان کے لئے راہِ معرفت سے پھر جانا محال ہے

(۲۵)

عشق ہمیں کمزور سمجھ کر
ہمارے دل میں ڈیرہ جما کر بیٹھ گیا

اس نے بت النا کام کیا
ہمارے جگر میں نقب لگا کر داخل ہو گیا

جب میں نے اپنی جان کے اندر داخل ہو کر جہان کا
تو وہاں وہ وحدہ لا شریک محبوب کو اکیلا پایا

اے باہو! مرشد کامل کو ملے بغیر
دل کی تسلی نہیں ہوتی

(۲۶)

عشق ہمیں آسمانوں کی بلندیوں کی جانب لے گیا
اور فرش سے عرش کا نظارہ کرایا

بس بس اے دنیا ہمیں فریب مت دے
ہمارا پسلے ہی یہاں دل گھبرا رہا ہے

اس دنیا میں ہم غریب الوطن ہیں
ہمارا الوطن دور ہے، تو یونہی ہمیں لائج کا فریب دے رہی ہے

اے باہو! جو موت سے پسلے ہی فنا فی اللہ ہو گئے
فقط انسوں نے ہی خالق خلیق کو پایا ہے

(۲۷)

عشق جن کے رگ و پے میں سرایت کر گیا ہے
وہ خاموش رہتے ہیں
اور اپنے مقام بلند کی باتیں کرتے ہیں

ان کے ہر سام میں لاکھ زبانیں ہیں
لیکن وہ چپ اور خاموش رہتے ہیں

ان کو ایسے مراتب حاصل ہیں
کہ وہ اسم اعظم سے وضو کرتے ہیں
اور دریائے وحدت میں غسل فرماتے ہیں

اے باہو! نمازیں تو جب ہی قبول ہوتی ہیں
جب نمازی معبد حیقی کا عرفان حاصل کر لے

(۲۸)

جہاں وحدت حق تعالیٰ کا راز ہے
عقل و فکر کی کوئی گنجائش نہیں

سر وحدت سچائی وہ مقام ہے
جہاں ملا، پنڈت، جو تشی کی گنجائش ہے
اور نہ ہی وہاں تفسیر مسائل قرآنی کی ضرورت ہے۔

جب احمد، احمد و کھانی دیا
تو سالک کے تمام حواس جواب دے گئے
اے باہو! عارفان ذات نے وہ تمام علم بھی حاصل کر لیا
جو ماورائے کتب آسمانی ہے

(۲۹)

عاشق ذات حق کا مقام
غوث اور قطب کے بلند درجات سے بھی آگے ہے

جس منزل بلند تک عاشقوں کی رسائی ہے
وہاں غوث نہیں پہنچ پاتے

عاشقان ذات نے تو لامکان پر ڈیرے جمائے ہوئے ہیں
وہ ذات حق سے مدام حالت حضوری میں ہیں

اے باہو! میں ان عاشقان ذات حق کے قریان جاؤں
جو ذات حق سے واصل ہو چکے ہیں

(۳۰)

راہ سلوک میں ضروری ہے
کہ سگ نفس کو فاکرنے کیلئے
اس کا قیمه قیمه کر دیا جائے۔

وفور عشق و محبت سے اللہ تعالیٰ کا دامگی ذکر
ہر سانس کے ساتھ جاری رہے

ذکر اسم ذات یعنی اللہ سے دیدار اللہ تعالیٰ حاصل ہوتا ہے
اور معرفت ذات حاصل ہوتی ہے۔

اے باہو! ان عاشقان ذات الہی کے دونوں جہان غلام ہوتے ہیں
جہنوں نے ذات الہی کو پالیا۔

(۳۱)

عائدان ظاہر حصول معرفت کے لئے
نفلی نمازیں پڑھ پڑھ اور روزے رکھ رکھ اور سجدے کر کر نذر حال ہو گئے۔

انہوں نے سو دفعہ مکہ مکرمہ جا کر حج کیا
لیکن ان کے دل کی ڈور مکے میں نہیں اُنگی۔

انہوں نے چلے کائے، جنگلوں میں عبادت و ریاضت کی
لیکن ان سے انہیں راہ معرفت میں پختگی حاصل نہیں ہوئی۔

اے باہو! راہ معرفت کی تمام منزلیں اس وقت طے ہو جاتی ہیں
اور گوہر مقصود حاصل ہو جاتا ہے
جب مرشد کامل ایک نگاہ لطف ذاتے

(۳۲)

جو ساکان راہ طریقت ذات حق سے واصل ہو گئے
وہ حمد و شنا کے رسی تکلفات میں نہیں پڑتے۔

راہ معرفت کا علم اور اس پر چلنے کا عمل ان کا خاصہ ہے
جن کی فطرت واصل حق ہے
اور جنہیں فناۓ نفس سے اثبات ذات حاصل ہو گیا ہے۔

انہوں نے رضاۓ الٰہی کی چھری سے
عشق ذات میں اپنے نفس کو قربان کر دیا

اے باہو! اگر تو اپنے اندر جہانگ کر دیکھے
تو تجھے دل کی پہنائیوں میں
چودہ طبق روشن نظر آئیں گے۔

میرے محبوب حقیقی نے میرے دل میں
اپنے عشق کی آگ بھڑکا دی ہے
اس شعلہ زن آگ کو کون بجھا سکتا ہے

میں عشق کی ذات کو کیا جانوں کہ وہ کیا ہے؟
اس نے مجھے ہر ہر دروازے پر جھکا دیا۔

عشق بھی عجیب شے ہے
نہ خود سوتا ہے نہ سونے دیتا ہے
بلکہ سونے ہوؤں کو بھی اپنی شوریدگی سے جگا دیتا ہے۔

اے باہو! میں اس مرشد کامل کے قریان جاؤں
جو پچھرے ہوئے محبوب ملا دیتا ہے۔

عشق ہمیں کمزور جان کر اور درد دل کے ذریعے
ہمارے باطن میں داخل ہو گیا

ضدی نپے کی طرح مچل رہا ہے
نہ خود سوتا ہے نہ ہمیں سونے دیتا ہے

مجھ سے بے موسم کے پھل یعنی سردویں میں خربوزے مانگتا ہے
میں اس کی فرمائش کیسے پوری کروں
(یعنی قبل از وقت دیدار یا رکا طالب ہے)۔

اے باہو! جب عشق نے تالی بجائی
تو عقلی و خرد کی تمام باتیں بھول گئیں
اور رقص و ارفانگی کا آغاز ہوا

عارفانِ اسم ذاتِ خود کو ذاتِ حق میں
فنا کر کے ذات کا ورد کماتے ہیں

عارفان ذاتِ حق ایسے مقام پر ہیں
جہاں نہ کوئی مقام ہے نہ منزل
نہ موت ہے نہ حیات

اگر تو اپنے باطن میں جھانک سکے
تو اللہ تعالیٰ تجھے اپنی شاہرگ سے قریب ملے گا۔

اے باہو! فنا فی الذات ہو کر معلوم ہوا
کہ وہ ہم میں ہے
اور ہم اس میں ہیں
قرب و دور کے تمام تصورات مٹ گئے۔

میں کلمے میں نسائی دھوئی یعنی اس میں پاک ہو گئی
اور کلمے سے ہی میری شادی ہوئی ہے

کلمے نے ہی میرا جنازہ پڑھا
اور انوار کلمہ طیبہ نے ہی میری قبر آرستہ کی

کلمہ طیبہ ہی قلب و دل کی صفائی کا ضامن ہے
اور اسی کی ہمراہی میں مجھے بہشت جانا ہے
اے باہو! جن خوش قسمت حضرات کو صاحبِ لولاک خود اپنی جانب بلائے
ان کے لئے واپس جانا دشوار ہے۔

(۳۷)

کلمہ طیبہ کے ورد سے یمنکوں را ہروان معرفت کو کامیاب کیا
اور لاکھوں سالکان راہ طریقت کو منزل پر پہنچا دیا۔

دوخ جہاں ہر دم بے پناہ آگ بھڑکتی ہے
اس آتش فروزان کو کلمہ نے بجا دیا۔

کلمہ طیبہ ہی ہمارے بہشت میں جانے کا ضامن ہے
جہاں صبح و شام اللہ کی نعمتیں میسر ہیں۔

اے باہو! دونوں جہانوں میں
کلمہ جیسی اور کوئی نعمت نہیں۔

(۳۸)

عشق کا سمندر فلکِ موج ہے
اب جہاز کماں لنگر انداز ہو

دریائے عشق کے تیرناک کو سب سے پلے
عقل و فکر کی کشتوں کو ڈبو دنا چاہئے۔

دریائے وحدت میں داخل ہوتے ہی بادبان بھڑکتے ہیں
بلند لہریں اٹھتی ہیں اور خطرناک بھنور پڑتے ہیں۔

اے باہو! جس مرنے سے خلقت ڈرتی ہے
یہی ظاہر موت عاشقانِ حق کے لئے ابدی حیات ہے۔

(۳۹)

دل ایسا دریا ہے جو سمندر سے بھی گرا ہے
دل کی کیفیت کی کے خبر ہو۔

اسی میں بیڑے تیر رہے ہیں
طوفان ہیں، بھنور ہیں، ملاح ہیں اور بادبان ہیں۔

دل میں چودہ طبق (یعنی پوری کائنات ہے) ہیں
جمانِ عشق نے اپنے خیے گاڑ رکھے ہیں۔

اے باہو! جو دل کے رازوں کا محروم ہو
وہی اللہ تعالیٰ کو پہچان سکتا ہے۔

(۴۰)

دریائے دل تو سمندروں سے بھی گرا ہے
اے عرفان ذات کے متلاشی، اس بحر میں غوطہ لگا۔

جس نے اس دریا سے پانی نہ پیا
اس کی جان کی پیاس نہیں بجھ سکتی۔

جنہیں قرب الہی کی آس ہے
وہ ہر دم ذکر و فکر میں محور رہتے ہیں۔

ہو روحانی رہنمای جب و دستار سے خلق خدا کو فریب دیتا ہے
اس سے تو بنی ٹھنی فاحشہ بہتر ہے۔

(۳۱)

میں نہ توجوگی ہوں نہ راہب
اور نہ ہی میں نے چلے کمائے ہیں۔

میں نہ ظاہری عبادت گزاروں کی طرح
دوڑ دوڑ کر مسجدوں میں داخل ہوانہ نمائشی طور پر تبع کی۔

میرے مرشد نے مجھے سبق دیا ہے
کہ جو دم اللہ کی یاد سے غفلت میں گز رے وہ کفر کے متراویں ہے۔

اے باہو! میرے مرشد نے کمال کیا
کہ ایک نظر میں مجھے منزل مقصود پر پہنچا دیا۔

(۳۲)

طالبان دنیا ان کتوں کی مانند ہیں
جو ہڈی کی تلاش میں در در حیران و پریشان پھر رہے ہیں۔

ہڈی پر جرسے قبضہ کرنے کے لئے
لڑنے بھڑنے میں ان کی عمر بیت جاتی ہے۔

اتنے کم عقل ہیں کہ یہ بھی نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ رزاق ہے
وہ پانی کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔

اے باہو! پاک اللہ کے ذکر کے بغیر
ساری جدوجہد حصول دنیا جھوٹی اور بے قیل و قال ہے۔

(۳۳)

درو دل کی اور کوئی مجرب دعائیں
صرف کلمہ ہی اس کی شانی دوا ہے۔

کلمہ طیبہ دل سے کفر و شرک کا زنگار اتار کر
دل کی تمام آلاتیں دور کر دیتا ہے۔

کلمہ نے اپنی دکان سجائی ہے
اور یہاں معرفت کے ہیرے، لعل اور جواہر میسر ہیں۔

اے باہو! کیا دنیا کیا عاقبت
کلمہ کی دونوں جہاں میں دولت تمام ہے۔

(۳۴)

روزے، نفل، نمازیں، پرہیز گاری، ظاہرداری کے لئے ہو
تو ان سے سوائے حیرانی کچھ حاصل نہیں ہوتا
ایقان و ایمان ان کا حاصل نہیں۔

ان سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہوتی
 بلکہ انانیت اور خودستائی ملتی ہے۔

جو ذات قدیم تمہارے ساتھ نباہ رہی ہے
کیا وہ تمہارا حقيقة دوست نہیں؟

جب طالب حق اپنی ہستی کو ذات حقیقی فنا کر دیتا ہے
 تو پھر اسے ظاہری ورد و ظیفوں کی حاجت نہیں رہتی۔

(۳۵)

عارفان ذات اپنی انکو فنا کر کے ہو کا لباس پہن کر
اسم ذات کا ورد کرتے ہیں۔

وہ اس مقام پر ہیں جہاں
کفر و اسلام کی منزل ہے نہ موت اور زندگی کی۔

اے طالب حق، اپنے باطن میں جہانگ
اللہ تعالیٰ تجھے اپنی شہر رگ سے قریب ملے گا۔

اے باہو! اللہ ہم میں ہے اور ہم اس میں
یہ دور و نزدیک کی بحث فضول ہے۔

(۳۶)

اے سالک راہ حق! ذکر الہی کے واسطے سے
اسرار ذات حق کے بارے میں سوچ
یہ لفظ تکوار سے زیادہ تیز ہے۔

عاشقان الہی اسرار ذات کے بارے میں سوچتے ہیں
آہیں بھرتے ہیں اور جان جلاتے ہیں۔

اسرار ذات حق کے بارے میں سوچنے والے اسی میں فنا ہو جاتے ہیں
یہ تو مساوئے اللہ کے درخت کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے۔

اے باہو! کلمہ حق کہتے رہنا
اللہ تعالیٰ تجھے فکر اسرار ذات کی مار سے بچائے۔

(۳۷)

یہ وحدت الٰہی کا دریا ہے
جہاں عاشقان حق تیر رہے ہیں۔

وہ اپنی اپنی بساط اور باری کے مطابق
وحدت کے سمندر سے دربے بہانکال رہے ہیں۔

انہی موتیوں میں خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کا نادر بے مثل موتی ہے
جس کی بھلی آسمان معرفت میں نور افگن ہے۔

اے باہو! تمام سالکان راہ طریقت تو بارگاہ نبوت کے ادنی کارندے ہیں
سو وہ عقیدت و محبت کا محصول کیوں ادا نہیں کرتے۔

(۳۸)

زندگی کی تاریک اور سیہ رات میں عشق
چراغ معرفت جلا کر اسے منور کرتا ہے

اس کی گرمی دلوں کو گرماتی ہے
لیکن یہ صوت و صدا سے معرا ہے۔

راہ عشق میں خوفناک جنگل اور ویرانے ہیں
اور یہاں ہر قدم پر خونخوار شیروں کا ڈر اور خوف ہے۔

اے باہو! جن کا عشق کامل ہے
وہ بلا خوف و خطر ان صحراؤں، جنگلوں اور ریگزاروں کو عبور کر جاتے ہیں۔

(۴۹)

اللہ تعالیٰ لامکان ہے
نہ وہ عرش معلیٰ پر مقیم ہے اور نہ خانہ کعبہ میں

نہ وہ کتابوں کے علم کے ذریعے ملتا ہے
اور نہ مسجدوں کے محرابوں میں بیخا ہے

طالبان حق نے بہت طویل سفر طے کیے
اور گنگا تیرتھ پہنچے لیکن اللہ تعالیٰ وہاں بھی نہ ملا۔

اے باہو! دیدار حق تو مرشد کی نظر عنایت سے ہوتا ہے
جب سے ہم نے مرشد کامل کا دامن کپڑا
ہم تلاش و جستجو کے سب عذابوں سے نجٹ نکلے۔

(۵۰)

نہ کوئی طالب ہے نہ کوئی مرشد ہے
یہ سب دم دلاسوں کے فریب ہیں۔

فقر کا راستہ بہت دور ہے
یہ ظاہردار تو قتیل حرص دنیا ہیں۔

دیدار حق کا شوق حد سے بڑھا
اور زندگی عشق اتنی میں فنا ہونے پر آمادہ ہو گئی۔

اے باہو! جن سالکان طریقت کے جسم و جان میں
عشق کی آگ بھڑک اٹھے وہ آسائشوں سے بے نیاز
معرفت عشق ذات میں بھوکے پیاسے جان دے دیتے ہیں۔

(۵۱)

مجھے نہ عالم فاضل ہونے کا دعویٰ ہے
اور نہ ہی میں منفی یا قاضی ہوں

نہ میرے دل میں شوق کی طلب ہے
نہ میرا شوق حصول جنت پر راضی ہے

نہ میں پابندی سے تمیں روزے رکھتا ہوں
اور نہ میں پاک نمازی ہوں
کہ یہ سب ظاہرداری کے عمل ہیں۔

اے باہو! اللہ کے وصال کے بغیر
یہ تمام دنیا جھوٹی بازی ہے

(۵۲)

میں اپنے اعمال کے لحاظ سے بد صورت ہوں
اور میرا محبوب حسن کا مجسمہ ہے
میں اسے کیسے پسند آؤں۔

میں لاکھوں جتن کرتی ہوں
لیکن محبوب حقیقی میرے دل کے آنکن میں نہیں آتا

نہ میرے پاس اعمال حسنہ کی دولت ہے
اور نہ یقین کامل کا سرمایہ

اے باہو! مجھے یہ دکھ ہمیشہ رہے گا
کہ میں محبوب حقیقی کو راضی نہ کر سکی
اور اس غم جانکاہ میں روئی ترپی مر جاؤں گی۔

(۵۳)

آتشِ عشق اپنی ہی ہڈیوں کے ایندھن سے جلتی ہے
اور عاشقِ مزے سے اسے تاپتے ہیں۔

اپنی جان اور جگر میں عشق کا آرہ ڈال کر
اپنیں پھر کاٹتے ہیں اور آتشِ عشق میں ان کے کباب تلتے ہیں۔

یہ تلاشِ حق میں چار سو سرگردان رہتے ہیں
اور اپنے جگر کا خون پیتے ہیں۔

اے باہو! یوں تو ہزاروں کو عشق کا دعویٰ ہے
لیکن عشقِ حقیقی خاص طالبانِ حق کو ہی نصیب ہوتا ہے۔

(۵۴)

عشق اور طریقت کی باتیں عجیب ہیں
یہ ظاہری آدابِ شرع سے دور ہٹاتا ہے۔

جب عشق کی ضرب پڑتی ہے
تو قاضی صاحبائی اپنے مراتبِ تقاضہ ترک کر دیتے ہیں۔

نامحرم لوگ عاشقوں کو سمجھاتے ہیں کہ دیوانگی عشق چھوڑو
لیکن عاشقوں کو ایسی نصیحتیں نہیں بھاتیں۔

اے باہو! جنہیں اللہ تعالیٰ خود بلائے
وہ راہ طریقت سے کیسے پھر سکتے ہیں۔

(۵۵)

ہمارے مرشد نے ہمیں یہی سبق دیا ہے
کہ جو دم ذکر الٰہی نے غافل ہے وہ دم کافر ہے۔

جب ہم نے یہ بات سنی تو ہماری باطن کی آنکھیں کھل گئیں
اور ہم نے مالکِ حقیقی سے دل پوری طرح لگایا۔

ہم عشق کے اس مرتبے پر پہنچے کہ ہم نے جیتے جی
اپنی جان مالکِ حقیقی کے سپرد گردی۔

اے باہو! منزلِ مراد کو وہ پہنچتے ہیں، جو ظاہری موت سے پہلے ہی
اپنی کامل زندگی حکم الٰہی کے تابع کر دیتے ہیں۔

(۵۶)

عاشقانِ حق کا ایک ہی وضو
روز قیامت تک قائم رہتا ہے

وہ دن راتِ حالتِ رکوع و سجود میں رہتے ہیں
یعنی دائمِ الصلوٰۃ ہو جاتے ہیں

فقیر کے لئے دنیا و عقبی میں کوئی تفریق نہیں ہوتی
دنیا و عقبی دونوں ہی اس کے ٹھکانے ہیں

عاشقانِ ذات کی منزل تو عرش سے بھی آگے ہے۔
ان کا واسطہ عرشِ معلیٰ سے ہے۔

جمال وحدت سرزات کا مقام ہے
وہاں عقل و فکر کی کوئی گنجائش نہیں

اس مقام پر نہ ملا، پنڈت اور جو تیشی کی گنجائش ہے
نہ علم قرآنی کی تفسیر کی گنجائش ہے۔

راہ سلوک میں جب نور احمد نور ذات حق دکھائی دیتا ہے
تو سب دنیا فانی نظر آتی ہے۔

اے باہو! ہم عارفان ذات نے
تمام علوم روحاںی حاصل کر لئے ہیں
اب ہمیں آسمانی کتابوں کی ظاہری ہدایت کی حاجت نہیں۔

رحمان بابا

(۱۶۵۳-۱۷۰۹)

مترجم

خاطر غزنوی

رحمان بابا (۱۶۵۳ء-۱۷۰۹ء)

راشد متن

رحمان بابا جن کا اصل نام عبدالرحمن تھا۔ بلا خوف تروید پشتو زبان کے سب سے بڑے صوفی شاعر تھے۔ مورخین کے مطابق ان کی ولادت بہادر کلی کے مقام پر ۱۶۵۳ء میں ہوئی۔ انہوں نے ابتدائی اور دینی تعلیم ملا یوسف زلی سے حاصل کی وہ صوفیاء کے چشتیہ مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ اور انہوں نے اس ملک کے ابتدائی صوفیاء ہی سے روحانی فیض حاصل کیا۔ مخفیقین کا کہنا یہ بھی ہے۔ کہ وہ فارسی کے ایک بڑے صوفی شاعر منائی سے متاثر تھے چونکہ ان کی شاعری اور منائی کی شاعری میں بعض اوقات بے پناہ مماثلت محسوس ہوتی ہے۔ ان کی شاعری کے مطالعے کے بعد یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ فارسی کی کلاسیکی شعری روایات سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو ان کی شاعری ایران کی مرکزی صوفیانہ اندیار میں شمار کی جا سکتی ہے۔ جبکہ خوشحال کی شاعری کے موضوعات کئی ایک ہیں۔ رحمان بابا کی شاعری میں مرکزیت زمین پر لئے والی مخلوق کے سائل ہیں اور دینی نوع انسان کے ساتھ ایک جدا گانہ محبت ایک لامتناہی تعلق کے طور پر زیادہ تر ان کی شاعری کا موضوع بنتی ہے۔

ان کے شعروں میں اردو اور فارسی، غزل کی روایات بھی نظر آتی ہیں۔ جنیں دنیادی عشق کی وساحت سے عشقِ حقیقی پر منطبق کیا جاسکتا ہے۔ ان کی یہ شعری خصوصیت تخلیقی محاسن کے ساتھ ساتھ وسعت اور پذیرائی کا موجب بنتی ہے۔ روزمرہ کے مسائل فطرت کی رنگینیاں اور حسی تجربوں کے بیان کی بدولت رحمان بابا کی شاعری میدان شعروادب میں صوفیانہ فکر کے حوالے سے بے پناہ شرت کی حامل ہے۔
رحمان بابا نے بعض مورخین کے مطابق ۱۷۴۰ء میں وفات پائی۔

حمد ذرا تیرا

دیکھ کیا عظیم ہے میرا پروردگا
 وہ دنیا کی ہر چیز کا مالک و مختار ہے
 ہر وہ شخص جسے بزرگ قرار دیا جا سکتا ہے
 میرا رب ان تمام بزرگوں سے بلند ترین اور بزرگ ترین ہے
 میرا رب کسی کا حاجت مند نہیں
 اور نہ ہی کسی کا منت کش احسان ہے
 اس نے نیست سے ہست کی صورت پیدا کی
 میرا رب پھر اس عظیم انداز کا پروردگار بنا
 وہ دنیا کی جملہ اشیا کا صنعت گر ہے
 میرا رب ہی ہے جو ہر گفتار کا سنبھال والا بھی ہے
 جن کا نہ کسیں بدل ہے نہ مشیل
 کچھ ایسی ہی عطریات کا وہ عطار ہے۔
 اس جہان اور عقبی میں جو چیز بھی تعمیر ہوئی ہے
 میرا خدا ہر ایسی تعمیر کا معمدار ہے
 وہ تو ان صحیفوں کا پڑھنے والا بھی ہے جو ابھی نہیں لکھے گئے
 وہ دنیا کے ہر راز کا حرم ہے
 ظاہر ہو کہ باطن
 ان دونوں کے مابین ہر چیز سے میرا رب باخبر ہے
 کوئی بھی چیز جو موجود ہے
 یا ابھی پوشیدہ ہے یا درمیان میں ہے
 وہ ہر اس چیز کا وقف رکھتا ہے
 اس کائنات کا وہ ایسا شہنشاہ ہے

جس کا کوئی شریک کار نہیں
میرا پروردگار لا شریک شریار ہے
اس کی یکتاں کو تنہائی کا عجز کہنے کی کس کو جرات ہے
وہ تو اپنے واحد وجود میں کثرت کا حامل ہے۔
وہ جو کسی کی دوستی کے حاجت مند نہیں ہیں
میرا رب ان ہی لوگوں کا دوست ہے
میں کیوں اس کی تلاش میں در بدر مارا مارا پھروں
وہ تو میرے اپنے گھر میں مجھ سے ہمکنار ہے
رحمان! اس میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کا امکان نہیں
میرا پروردگار تو ہیشہ سے برقرار ہے۔

(۲)

اگر کسی کو دنیا میں دوست کی تلاش ہو تو ہی اس کا دوست ہے
وہ دوست اس لئے ہے کہ اسی نے یہ دنیا سنواری ہے۔
اس کی زلفوں کے خیال نے مجھے اپنے حلقوں میں لے لیا
بالکل یوں جیسے خزانے پر کنڈی مارے محافظ ناگ ہو
یہ دنیا اللہ کے اپنے عشق کی تخلیق ہے
وہ ساری مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے
گویا اس کا رتبہ باپ کا سا ہے
اس دنیا میں عشق سے بلند تر کام اور کیا ہو سکتا ہے
یقیناً یہ جہاں بھر کے کاموں سے افضل ترین کام ہے۔
اگر جہاں میں یہ بات پھیل جاتی کہ پھول پھول نہیں خار ہے
تو دنیا کا کوئی بُل بُل پھول کا نام تک لینا گوارا نہ کرتا
دنیا میں دوبارہ کوئی نہیں آئے گا
یہ جہاں باز دُگر نہیں
بس یہی ہے پہلی بار بھی اور آخری بار بھی
بلیے کی عمر ہی کتنی ہوتی ہے؟
اگر کوئی شخص زندگی کی درازی کا شمار کرنا شروع کرے
تو بس اسے حباب ہی کو پیش نظر رکھنا ہو گا
کہ یہی اس کا شمار ہے
اے رحمن! مجنوں کی شکل و صورت کا اندازہ کرو
اے میرے محبوب تیرے عشق میں وہ اسی کی طرح زیوں حال ہے

(۳)

دنیا میں وہی شخص روشنیاں پھیلاتا ہے
جو دناتاو بینا ہوتا ہے
عالم لوگ دنیا بھر کے پیشوں ہوتے ہیں
وہ لوگ جو اللہ اور رسول کے راستے کے متلاشی ہیں
ان کے لئے اس راہ کے راہنماء علماء ہی ہیں
وہ کیمیا گر جو کیمیا کی طلب میں بھکتے پھرتے ہیں
ان کے لئے عالموں کی ہمدی ہی
کیمیا کا درجہ رکھتی ہے

جالبوں کی مثال مردہ لوگوں کی طرح ہے
لیکن عالموں کو ہم مسیحا کا میل کرنہ سکتے ہیں
جن کے نفس سے مردوں میں جان پڑ جاتی ہے
عالم اسی انداز کے اولیاء ہوتے ہیں۔

ہر وہ شخص جو علم سے بے بھرو ہے، وہ انسان نہیں
اس کی حیثیت ایک بے روح نقش کی سی ہے
اے رحمن! میں ہر عالم کا حلقة بگوش ہوں
چاہے وہ اعلیٰ ہے، درمیانہ یا ادنیٰ

(۲)

اگر تیرا دل محبوب کا طلبگار ہے
تو صیاد بن کر عنقا کا شکار کرنے پر
قدرت حاصل کر

سر پر حباب کا کلاہ پن لے
اور ہوا کے گھوڑے کا شسوار بن

خضر کی طرح اٹھ
اور آب بقانوں کر

زمینوں سے قدم اٹھا
اور عیسیٰ کی طرح آسمانوں کا رخ کر

اس استاد کا شاگرد بن
جو تجھے کیمیا گری کا ماہر بنادے

جو کچھ میں نے تجھ سے کہا
اگر حاصل کرے تو یہی ساری کائنات ہے

اے رحمن! تمہاری امید تب بر آئے گی
جب تجھے حسینوں کی وفا حاصل ہو گی

تیری یاد تو ہے
جو ہمیشہ میرا سرمایہ حیات رہی ہے
یہ تو وہ ورد ہے

جو میں صبح شام کرتا ہوں
ہر وہ بات جو میں تیرے تصور
اور تیری یاد کے بغیر منہ سے نکالوں
میری اس بات سے سو مرتبہ توبہ

اگر میں تیری یاد کے بغیر دل کو ہزار تسلی دوں
تو وہ تسلی ہرگز ہرگز میرے لئے
آرام جان نہ بن سکے گی۔

اگر تیرے عشق میں میری عزت و آبرو جاتی ہے
تو میں یہ بھی قریان کرنے کو تیار ہوں۔

جب سے تیرے عاشق ہونے کا اعزاز حاصل ہوا ہے
دنیا کے ہر مرتبہ و جاہ سے میرا دل بے نیاز ہو گیا ہے۔

جب تک میں اسے خیانہ عشق میں نہ لے جاؤں
تب تک میری عقل خام ہی رہے گی

یہی موقعہ ہے میری آہ و زاری سن لو
اس سے پیشتر کہ میرا ہر انداز مٹی کی نذر ہو جائے

فلک ناہجار نے کتنے ہی جام و مینا توڑ ڈالے
میرا دور جام تا کے چل سکے گا۔

اے رحمن! کب تک لذت وصال سے محروم رہوں گا
بتاؤ کب اس لذت سے ناکایی تلخ کامی کا سبب رہے گی۔

(۶)

بے دن آجائیں تو ان کے سامنے
کوئی عاقل و دانا کیا کر سکتا ہے۔
قفا سر پر منڈلانے لگے
تو طبیب بھی بے وست و پا ہو جاتے ہیں

ماں باپ تو اللہ سے
نیک اولاد کی تمنا رکھتے ہیں
جب بد بخت اولاد ہی گمراہ ہو جائے
تو والدین بھی بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں۔

جب دوست کو دوست سے کوئی جابر ہاتھ جدا کر دے
تو بے بس محبت کرنے والوں کے پاس کوئی چارہ نہیں رہتا
دعاوں اور بد دعاوں سے کیا ہوتا ہے
جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے
اگر اللہ نہ چاہے تو دعائیں اور بد دعائیں
بے اثر ہو کر رہ جاتی ہیں۔

زور یا زر سے تقدیریں نہیں بنایا کرتیں
اس معاملے میں کمزور اور تو انا دونوں بے بس ہیں
اے رحمن! پروانے نے شمع کے شعلے کا گلہ کیا اور جل مرا
شمع کی لو کیا ہے گی اور کیا روئے گی۔

(۷)

میں محبوب کا ہر خط، ہر ورق الٹ پلٹ کر
اس میں اس کے خدوخال تلاش کر رہا ہوں
جب میں عشق میں اپنے دل کا تصور کرتا ہوں
تو مجھے توریا آہن گر کی بھٹی کی طرح دل جتنا نظر آتا ہے
ہنسی ہنسی میں وہ ہر آگ میں کو دپنے کو تیار نظر آتا ہے
اے خدا کسی کو جذبہ عشق کا مجدوب نہ بنا
جب میں دل کو ماہ جبینوں کی آماجگاہ بناتا ہوں
تو پھر دل ان کے غم میں ڈوب ڈوب جاتا ہے
حضرت ایوب نے تمام مشکل مشقیں برداشت کیں
عشق عاشق کے لئے ہر مشکل کو آسان بنادیتا ہے
روتے روئے حضرت یعقوب اس حد تک پہنچ گئے
کہ حضرت یوسف کے فراق میں آنکھیں گنوادیں
عشق کی کرامات یہ ہے کہ وہ عاشق کی خاطر
گل رخسار محبوباؤں کا سارنگ روضہ حار لیتا ہے
اس کی کیابات جو ہجرو وصال کی دھوپ چھاؤں میں
کبھی خود عاشق بن جاتا ہے کبھی معشوق بن جاتا ہے
جب نظر صورت و شکل سے آگے گزر کر گرایاں ناپنے لگتی ہے
تب اے ارجمن! زشت اور خوب میں کوئی فرق نہیں رہتا

(۸)

جب عشق کسی کے مزاج میں بہمی پیدا کر دے
نو پھر کسی حکیم کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں رہتا

وہ اپنے محبوب کی یاد میں ہر وقت روتا رہتا ہے
یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے بجائے خون ٹکنے لگتا ہے

اس کے دونوں ہاتھ دونوں دنیاؤں کی جانب لکھتے رہتے ہیں
وہ ہمیشہ ظالم موجود کے تھیزے ستارہ رہتا ہے

وہ عاشق جن کے مزاج میں عشق کی بوسا جاتی ہے
تو وہ دنیا کے ہر رسم و رواج اور رکھاو کی بو سے قطعی بیگانہ ہو جاتے ہیں

ابراہیم ادھم کچھ ایسا نادان نہ تھا
کہ اس کی نظر تخت و تاج کی طرف ہوتی

مجنون لیلی کا کوئی ایسا گیا گزر اعشق نہ تھا
کہ وہ دنیا کی اور چیز کی احتیاج رکھتا

عشق کی دیوانگی کا رنگ ہی اور ہے
اس کی سلطنت بربادی یا تارا جی کی حدود سے ماورا ہے
اگر منصور کی طرح دار پر بھی چڑھ جائے
تو رحمن کے لئے وہ دار معراج کا درجہ حاصل کر لے گی

(۹)

میری روح حسینوں کی تلاش و جستجو میں سرگردان ہے
بالکل اسی طرح جسے صابوئے گل کو ڈھونڈتی رہتی ہے
تیرے حسن کے سورج کے سامنے میری زندگی شبہم کی مانند ہے
لیکن پھر بھی صحمد میری روح رونے کے بجائے خنده زن ہوتی ہے
میں نے تیرا عکس جمال اپنے آپ میں دیکھا ہے
میری روح آئینہ بن کر تیرے حسن کی ستائش
حیراگنگی کی صورت پیان کر رہی ہے
اے میرے محبوب تیرے رخ روشن کے آئینے کے طفیل
سد امیری روح طوٹی کی طرح شکر مقال رہتی ہے
جس طرح شیشے میں سے کارنگ دیکھا جا سکتا ہے
بالکل اسی طرح میرے ضعیف بدن میں
میری روح کو نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے
میں مدام گلشن وصال میں تیرا منتظر رہا
میری روح بھی سرتاپا شبہم کی طرح چشم انتظار بن چکی ہے
میری طلب نے تیرے حسن کی روشنی پالی ہے
اب سورج کی طرح میری روح
رات دن اسی راہ پر رواں ہے
تیری زلف و رخسار کے لئے "رحمٰن" غریب الوطن ہو گیا ہے
اب میری روح کبھی ہندوستان اور کبھی خراسان میں بھلکتی پھرتی ہے

بادشاہوں نے تو اپنے محلات تعمیر کیے
میں نے عشق کی عمارت کی بنیاد رکھی ہے
ذریتاً تو سی بجنوں اور فرہاد کی طرح
آج تک کس بادشاہ کا نام زبان زد عالم ہوا
غاشقوں کے لئے عشق کی حیثیت استاد کی سی ہے
ایسا پیر استاد دوسرا کون ہو سکتا ہے

یہ ساری عشق کی کرامات ہے
جس نے کسی کو قطب اور کسی کو غوث کا درجہ بخش دیا
دنیا کی ہر چیز فانی ہے
کوئی ان فانی چیزوں پر کیا اعتماد کرے
سایہ سورج کے آگے آگے چلتا ہے
اس کا نہ کوئی ٹھکانہ نہ ہی پڑا، نہ گھر ہے
اس دنیا نے کسی سے وفا نہیں کی
چاہے وہ جشید تھا، بہمن یا کیقباد
وہ جشید تھا، بہمن یا کیقباد
نمرود تھا فرعون کہ شداد
کسی کو دنیا میں اس کے دل کی مراد نہ ملی
جو اس دنیا سے گیانا نامراد اور مایوس ہی گیا
دنیا سے رخصتی کے بعد نہ کسی کے لئے فاتح ہوانہ دعا کی گئی
چاہے پسمند گان میں اس کی آل عیال تھی کہ اولاد
اے رحمن! میں زمانے کے ظلم و ستم کا نشانہ
اپنے رب کے پاس دادرسی کی خاطر فریاد کنال جا رہا ہوں۔

(11)

تو جو اس دنیا سے دل لگا کر مالک بن بیٹھا ہے
تو تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ جہاں تمہیں وراثت میں ملا ہے
ذرا غور تو کر تیرے آباو اجداد کماں گئے؟
تم بھی ان ہی کے پیچھے پیچھے جا رہے ہو۔

یہ جہاں ایک پل ہے
آگے پیچھے سب نے اسے پیار کرنا ہے
کوئی آج تک اس پل پر رک نہیں سکا
یہ بات نہیں کہ میں صرف تم سے مخاطب ہوں
تیری طرح یہاں صد ہزار انسان آئے اور چل بے
نا حق تم کسی چیز پر قابض ہونے کے مجاز نہیں ہو
یہ تو پر ایا ملک ہے، پر ایا شر اور دیار غیر
جو دیار غیر میں بس جاتا ہے
اس کا وہاں کسی چیز پر کوئی مالکانہ اختیار نہیں ہوتا
ایسے ہی اس دنیا کا حال ہے۔

کسی معاملے میں بھی وہ چاہے ہزار قسمیں کھائے
مسافروں کی زبان کا کوئی بھی اعتبار نہیں کیا کرتا

باغ کے پھولوں کا کیا اعتبار، کیا زندگی
صح کھلے اور شام مر جھاگئے

کوئی بھی چاہے وہ تمہارا بھائی ہو، عزیز یا دوست
اسے کبھی نہ بھائی سمجھنا، نہ دوست اور نہ عزیز

ہر پیدا ہونے والی چیز کا انجام فنا ہے
اے رحمٰن! یہی اس دنیا کی ریت ہے

اگر کوئی اپنے محبوب کی طلب میں زیوں حال نہیں ہو جاتا
 تو اس کی دستار اس کی محبوبہ کی چادر پر قربان
 حیف! افسوس! صد ہزار افسوس۔ یہ کیا عاشق ہے؟
 جو عاشقی میں گوگو کے عالم میں رہے
 مشکل وقت اور راحت میں جس کی کیفیت بدلتی رہے
 نہ تو اس میں ایسی شمع کا پروانہ بننے کی جرات ہوتی ہے
 نہ ہی وہ اپنے گلشن کا بلبل بن سکتا ہے
 نہ ہی اس میں مجنوں کی طرح رسوانی کا شکار ہونے کی ہمت
 نہ ہی منصور کی طرح دار پر چڑھ جانے کا حوصلہ
 اے رحمن! دو باتیں نہیں ہو سکتیں
 دو غلے پن کے بجائے تمہیں یا تو صحیح عاشق بننا پڑے گا
 یا اس کوچے کو تجنا پڑے گا۔

زندگی کا گزارہ یہ شگفتہ نہیں رہتا
 نہ ہی بازار حیات کی رونقیں سدا برقرار رہتی ہیں
 جس طرح اب اسین کا پانی لہوں کے تھپیزوں پر رواں دواں ہے
 اسی طرح زندگی کی رفتار بھی تیز تر ہے
 جس طرح برق ایک لختہ جلوہ دکھا کر غائب ہو جاتی ہے
 یوں ہی زندگی کی رفتار پر قابو نہیں پایا جا سکتا
 اس کی سرکشی حد سے بڑھ کر ہے
 کسی کو اس کی باگیں کھینچنے کا یارا نہیں
 یہ وہ گھوڑا ہے جس کی نہ باغ ہے نہ لگام
 ایسے سمند سے عمر کا شہسوار گر کر ہی رہے گا
 سو برس کی رفاقت ایک لمحے میں ختم ہو جاتی ہے
 عمر کی دوستی میں کچھ ایسی بے وفائی بھری ہے
 اگر کوئی عمر کا حساب اور درازی دیکھنا چاہے
 تو وہ اپنے آپ کو حباب کی آنکھوں سے دیکھئے
 میں نہ گھر سے نکلتا ہوں نہ کسی سفر پر جاتا ہوں
 اس کے باوجود میری عمر بغیر سفر قطع ہو رہی ہے
 آخرش اجل کی قینچی اسے کاٹ دے گی
 رشتہ زندگی سدا پیوستہ نہیں رہتا
 اے رحمن! وہ بار دگر دنیا میں نہیں آسکتا
 جو ایک بار اس دنیا میں آیا۔

(۱۳)

اگر کسی کو عزت و افتخار کا فخر در کار ہے
تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ محبت میں یہ چیز
دولت خرچ کر کے حاصل نہیں
کی جا سکتیں

اگر کسی نے زریں لباس زیب تن کیا ہوا ہے
تو کیا ہوا، بس یوں سمجھو کہ وہ یا مرغ زریں ہے یا مور

اگر کسی کے سر پر تاج رکھا ہے تو پھر کیا ہوا
میری نظروں میں اس کی حیثیت مرغ کی لکنی سے زیادہ نہیں

اگر کوئی شخص نہ فہم و فراست کا مالک ہے نہ علم کا
تو ایسا بے روح آدمی عکس ممکوس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا

جس آدمی کے خرمن میں دانہ نہیں
اس کی مثال مخفی بحوسہ اڑانے والے کی ہے

تصنیع کے مارے ہوئے شخص سے
کسی بہتری اور خیر کے کام کی توقع نہ رکھو
ایسا شخص قوم میں تفرقہ اور افراطی کا باعث بنتا ہے

اس کی ترقی دراصل ترقی ممکوس اور ویرانی کی تصویر ہے
دیکھا ہے تو اس کی بلند و بالا عمارتیں میں دیکھو سیت دیکھو

اگر تمہیں میری گفتگو میں ذرا بھی جھوٹ یا شائیبہ محسوس ہو
تو پھر اس شر میں جاسوس چھوڑ کر اصل حقیقت حال معلوم کرو

اے ساتی میرے محبوب کے ہاں سے مجھے مے لا دو
کہ میں ہوش و خرد کھو دوں
اللہ نہ کرے کہ میں انا کی قید میں محبوس ہو جاؤں
اگر کسی کو دنیا بھر کے حسن و نعمت کی طلب ہو
تو اسے میری محبوبہ کی طرح کسی دوسری دن میں یہ ساری چیزیں سمجھانے ملیں گی
اے رحمن! تم حسن یا رکو پر دوں میں دیکھنا چاہتے ہو بڑے سادہ ہو
کبھی شمع کی روشنیاں فانوس میں ڈھکی چھپی رہ سکتی ہیں

(۱۵)

بڑھاپا آتا ہے تو صبح چرے سیاہ ہانڈیوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں
اور سرو قد ٹیڑھی لکڑیوں میں ڈھل جاتے ہیں
مسجد کی شمع اور جاڑے کی صبح کے آفتاب کی طرح
بس ایک ہی بات ہے بڑھاپا آئے تو لرزہ برندای اور زرد روٹی ان کا مقدر بن جاتی
ہے۔

سر لرزتا ہے پاؤں غلط پڑتے ہیں
بڑھاپے میں سارا بدن اُجھی بن جاتا ہے

بڑھاپا ایسی لعنت ہے کہ آدمی گو زندوں میں شمار ہوتا ہے
لیکن اس کے بر عکس وہ درحقیقت مردہ ہوتا ہے

جو مر جائے وہ ایک لحاظ سے بہتر ہے
کہ اسے دوسری زندگی ملنے کا انتظار ہوتا ہے
کہ جو شخص بوڑھا ہو جائے
اس کے جوان ہونے کی توقع غلط ہے، ناممکن ہے

بڑھاپا ایسی لعنت ہے کہ اس کی روزی زہر بن جاتی ہے
نہ وہ کھانے کے قابل رہتا ہے نہ کچھ پینے کے

یہ تو جوانی ہے کہ آدمی دیکھ اور سن کر لذت حیات حاصل کرتا ہے
بڑھاپے میں تو انسان دیکھنے اور سننے کی نعمتوں سے محروم ہو کر رہ جاتا ہے

اے رحمن! بڑھاپا بے دست و پائی کا نام ہے
کہ اگر کوئی رسم بھی بوڑھا ہو جائے تو اس پر ترس آتا ہے

جب کوئی اپنی ہی قسمت نہیں بنا سکتا
 تو وہ دوسروں کی رہنمائی کیا کرپائے گا
 کوئی غنوں کو اپنانا چاہتا ہے؟
 اور جب غنوں کا بوجھ اس پر پڑ جائے
 اور وہ ان سے جان چھڑانے کے بجائے
 غنوں کو قبول کر کے ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے
 اور اللہ کے کاموں کی راہ میں ہمت ہار بیٹھے
 وہ بے معنی چیز ہے
 وہ کام جو تقدیر پر موقوف ہیں
 انہیں کوئی محنت اور مشقت سے نہیں کر سکتا۔
 جو قضا اور رضا کے ہاتھوں راضی برضا ہو جائے
 اسے کسی سے گلہ یا شکایت نہیں کرنی چاہئے
 محبوب یا مغلوب کی وفا اور جفاح سب اس کی ہنرمندی۔
 حکما کی حکمت کا راز کوئی کیا جانے؟
 جو اپنی اطاعت اور ریاضت پر غور کرتا ہے
 وہ اپنیں کی اطاعت و ریاضت کا انجام بھی دیکھ لے۔
 علت تو کی جا سکتی ہے لیکن آدمی کی عادت نہیں جاتی
 اللہ کسی کو بری عادت میں بجلانہ کرے
 رحمن! مجھے فراق کا سیلا بھائے لئے جا رہا ہے
 کیا کوئی اللہ کا بندہ اللہ کی راہ میں مجھے بچا سکتا ہے۔

(۱۷)

میں زندگی میں کچھ حاصل نہ کر سکا
 اب میں ہر طرف سے ٹھکرایا ہوا آدمی ہوں
 ابھی تو مجھے بوجھی نہیں آئی
 لوگ مجھے واصل کیوں سمجھنے لگے۔

میں گناہوں کے گردابوں میں یوں
 ڈوبا ہوا ہوں کہ اپنی آنکھوں سے
 ساحل بجھی نہیں دیکھ سکا

مجھے ہر وقت اپنے وطن سے جلاوطن کر دیتے ہیں
 میرے رقیب مجھے لحظہ بھر بھی لکھنے نہیں دیتے

بلا میں ہیں، جفا میں ہیں، کہ وفا میں
 یہ سب آشیں خدا نے مجھ پر نازل کر دیں۔

دنیا میں آکر میں اس کی ناپاکیوں کا شکار ہو گیا
 افسوس نہ میں عالم بن سکا نہ عاقل۔

رحمن! میری سیاہ داڑھی سفید ہو چکی ہے
 حیرت ہے اس کے باوجود نہ مجھے بلوغت ملی نہ عقل۔

اگر کوئی مجھے فقیر سمجھتا ہے تو یونہی سی
 میں فقیر ہوں
 اور اگر کوئی مجھے امیر سمجھتا ہے تو یہ بھی سی
 میں امیر ہوں
 میں محبوبوں کا صدقہ مانگ رہا ہوں
 اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے
 کہ میں دنیا کے مال و منال کا بھوکا ہوں۔

خرقے کی خدمت چاہے مشکل ہو یا آسان
 میں اس کے لئے ہر وقت کمرستہ ہوں

میں کچھ لوگوں کی نصیحت قبول کر رہا ہوں
 اور کچھ لوگوں کے لئے ناصح بنا ہوا ہوں
 گویا میں کچھ لوگوں کا پیر اور کچھ لوگوں کا مرید۔
 میں فراق میں خیال یار کے ساتھ ہوں
 گویا زندگی میں یوسف کے ساتھ امیر ہوں۔

میری بھی میں شمع کی طرح گریہ پناہ ہے
 میں دنیا سے پوشیدہ ماتم کنائیں ہوں
 ایسی آزادی کو میں آگ میں جھونکوں
 جس میں شب و روز محبوب کے لئے ترپتا رہوں۔

میں اپنے محبوب کے چرے کو نکنکی لگائے دیکھ رہا ہوں
 کہ فراق و ہجر کا خوف مجھ پر طاری ہے۔

میرے سامنے خوشحال خان خٹک اور دولت خان جیسے صاحبان قلم
 غلاموں کی حیثیت رکھتے ہیں
 اے رحمن میں پشتو زبان کا (شہنشاہ) عالمگیر ہوں۔

(۱۹)

ہمیشہ محمود غزنوی کو پیش نظر رکھو
جس کے عشق نے اسے اپنے غلام کا غلام بنادیا۔

نیک لوگوں کا مدعی عمل صالح ہوتا ہے
وہ اس کام میں نہ صحیح دیکھتے ہیں نہ شام

جب نماز میں حضوری اور خضوع و خشوع کا فقدان ہو
تو پھر وہ نماز بے معنی ہے چاہے امام کی ہو یا مقتدی کی۔

اگر کوئی شخص محبت میں مجنوں کی طرح مخلص ہے
تو ”رحمٰن“ ایسے عاشق پر سلام بھیجتا ہے۔

پشاور کی حسینا میں رحمٰن کے اشعار گاتی بھی ہیں
اور ان پر رقصان بھی ہیں اور خندال بھی۔

فراق کے غم کہاں تک شمار کیے جاؤں
یہ تو صحرائی ریت کے ذریعوں کی طرح ان گنت ہیں
میں آدمی سے دشمنی کی
سکت نہ رکھتا تھا
کہ خدا نے آسمان کو میرا دشمن بنادیا۔

جیسے کوئی اونٹ کا بوجھ چیونٹی پر ڈال دے
ایسے ہی مجھ ناتوان پر غمتوں کا بار آپڑا ہے
جو فرقت کی آگ مجھ پر برس رہی ہے کون ہے؟
جو اس کا اندازہ کر سکتا ہو۔

میرے غمتوں کو صرف وہ شخص گننے کی اہمیت رکھتا ہے
جو اپنے بدن کے بال گن سکتا ہو
اگر کوئی پوچھے کہ فراق یا ریت میں تیرا کیا حال ہے
تو وہ اپنے دل میں دوزخیوں کا تصور کر لے۔

(۲۱)

میری بے قرار روح ہوا میں اوپر کی جانب پرواز کر گئی
اب تو زمین پر ایک نقش حیرت رہ گیا ہے۔

میرے محبوب کی بڑی بڑی آنکھوں نے
میرا دل، میری روح، میرے جسم سے نکال لی ہے
اب میں بت کی طرح نقش دیوار بن کر رہ گیا ہوں۔

میں سمجھا تھا کہ مومن کا دل عرش کی مانند ہوتا ہے
معلوم نہ تھا کہ عشق نے اس عرش کو ویران کر دینا ہے

عشق نے مجھے اس حد تک ہوش سے بیگا نکر دیا ہے
کہ اب نہ ہوش و حواس ہے نہ سرو سامان

میں ہر جانب سے تھتوں کے پھروں کا نشانہ بن رہا ہوں
مجھے ہی دنیا والے گناہ گار گردان رہے ہیں۔

رحمٰن! اگر تو اس حال کو نہ پہنچتا
تو تیری گفتار کی طرف سے کوئی
کیوں یوں بے اعتمانی برتا۔

تم نے دن فضولیات میں اور رات سوکر گزار دی
اے بد بخت خدا کو کس وقت یاد کرو گے۔

دنیا تیزی سے روائی ہے
اے غافل تیری عمر بھی تیزی سے گزر رہی ہے
اس امر سے غافل مت رہنا۔

یہاں تمہارے ہر نفس کا شمار ہے
تمہارے ہر اقدام کا حساب رکھا جا رہا ہے
خیال رکھ تیرا کوئی قدم غلط راہ پر نہ پڑے۔

اللہ تعالیٰ نے جو کتاب بھی اتاری ہے
اس میں واضح طور پر ہر چیز کا محاسبہ ہونے کا تذکرہ ہے
تو بھی اپنے ہر عمل کا حساب دینے کی روشن
اس کتاب سے سیکھ لے۔

تم اپنے نیک و بد اعمال کو ترازوں میں تول کر دیکھ
تو نے عذاب کی نسبت کتنا زیادہ ثواب حاصل کیا ہے۔

جب تم اس دنیا میں اپنے اعمال کی جوابدی سے قاصر ہو
تو اس جہان میں اپنے برے اعمال کا کیا جواز اور جواب لاوے گے۔

(۲۳)

آخر تم نے مٹی کا رزق بننا ہے
تاکے اپنی انگلیوں سے اپنے کپڑوں کی گرد جھاڑو گے۔

آخرش اس کاغذ کی کشتی پر بیٹھ کر
کھان کھان کی کتنی سیر کر سکو گے
یہ کشتی تو تمہیں ڈبو کر مار دے گی۔

آج تم سورج کی تمازت سے بچنے کے لئے
سالیوں کا رخ کر رہے ہو
لیکن جب آفتاب سوانیزے پر آجائے گا
تو کیا کرو گے۔

اے رحمن! اگر تو روز محشر کے عذاب سے بچنا چاہتا ہے
تو کسی کو تکلیف میں دیکھ کر خوشی نہ منا۔

اپنے پیٹ کو ری سے مضبوط باندھ لو
اور آسمان سے من و سلوئی اترنے کی توقع مت رکھو۔

ہر وہ سائل جو آسمان سے ایک روئی کا سوال کرتا ہے
وہ گویا اپنے کشکول میں چاند کی خیرات مانگتا ہے۔

اگر کوئی آسمان سے وفا کی امید رکھتا ہے
تو میں سمجھتا ہوں کہ اس طمع کو
طاعون کہا جاسکتا ہے۔

تم نے بارش مانگی تو اس کے ساتھ اولے بھی برسے
جس کا ہر زخم بندوق کی گولی سے بھی زیادہ برا ہوتا ہے۔

اگر آسمان کسی پر مہربان ہو جائے اور شفقت سے پیش آئے
تو کسی دن اس کا ظلم و استبداد ازبکوں کے ظلم سے بڑھ کر ہوتا ہے۔
آدمی قناعت کے بغیر کسی چیز سے سیر نہیں ہو پاتا
چاہے اس کا گھر سیم و زد سے ہی کیوں نہ بھرا ہو۔

کوئی کمال بھی عاجزی اور انکساری کے بغیر حاصل نہیں ہوتا
چاہے اس کے خیمے عرش پر ہی کیوں نہ گزرے ہوں
اور روں کے لئے یہ دنیا کتنی ہی فراخ اور وسیع کیوں نہ ہو
تھک نظر کے لئے تھک ہی رہتی ہے۔

اس دنیا کے دوستوں کی آنکھ سے حیا کا پانی عنقا ہے
تم بیشک زمین سے آسمان تک تلاش کر کے دیکھ لو۔

عاشقوں کے اشک آبدار بھی ہیں نمکین بھی
خدا کسی کو آب و نمک سے محروم نہ کرے۔

اے رحمٰن! دنیا کے اندیشوں کو اتنا طول نہ دو
دنیا کے کاروبار تو پلک جھپک کے ہیں۔

اگر خدا کے علاوہ کسی چیز سے دل لگاتے ہو
تو کیا جانتے ہو کہ یہ کام درست ہو گا یا بے محل؟
یہ بات تو نہیں کہ تم زندگانی جاوید لے کر آؤ گے
بہت ہو گا تو سو سال جی لو گے
اگر تمہاری عمر سو سال بھی ہو جائے تو کیا
ہتاو اس کے بعد کیا کر پاؤ گے۔

جس کے ہاتھ سے کوئی کام نہیں ہو پاتا وہ کیا ہے؟
مرد وہ ہے جو دور سے دشمن کی تاک میں بیدار ہو کر بیٹھا ہے۔

تم اصل میں انسان ہو
اے دوپاؤں والی مخلوق
چارپاؤں والے مویشیوں کی سی حرکتیں مت کرو۔
تمہارا شمار کمھیوں اور چیونٹیوں کی صفت میں ہو گا
تم ہما ہو گوشت اور گھنی کی لالج چھوڑ دو۔

اے تخت اور نگ پر سریر آ را گد!!
حریص آدمی کبھی سیر نہیں ہو پاتا
سیری صرف قناعت میں ہے۔

اے رحمن! اگلے پڑاؤ کے لئے تو شتہ سفر باندھ لو
جب تک تمہارا ٹھکانہ اس سرائے میں ہے
اور آخری سفر پر نہیں چل نکلتے۔

غواصوں کو موتیوں کی تلاش ہے
تو موتی ان کے لئے موجود ہیں
اگر دل کی تلاش کرنے والے دلبروں کی تلاش میں ہیں
تو دلبر بھی موجود ہیں
میرے محبوب کا کوئی ثانی نہیں
دنیا کے سب دلرباؤں کا کوئی سردار ہے
تو وہ میرا محبوب ہے۔

لب لعلیں اور چاہ زندگان کی لذتوں کا کہیں میل نہیں
آؤ دیکھو تو یہیں آب زمزم بھی موجود ہے اور آب کوثر بھی۔
اگر وصال اور بھر کا تجزیہ کرو
تو وصل جنت ہے اور فراق دوزخ۔

اے خطیب، منبر پر خطبہ دیتے ہوئے کیا کہہ رہا ہے
اگر قدم کو اپنی ذات تک محدود رکھے تو یہی منبر ہے۔

مکہ مظہمہ کا سفر تو آسان ہے
مرد انگی تو یہ ہے کہ اپنی ذات سے نکل اور سفر کر
یہی اصل سفر ہے۔

جو صاحب ثروت کسی درویش کی دلجمی کرتا ہے
درحقیقت درویش وہ خود ہے
کوئی تو نگر اگر قناعت کے خزانے جمع کرنے لگے
تو پھر اس جیسا تو نگر دنیا میں کوئی دوسرا نہ ہو گا۔

ہنریہ نہیں کہ مٹی کو سونا بنا دیا جائے
اے رحمن! اصل ہنریہ ہے کہ ہونے کو مٹی بنا دیا جائے۔

سفید رخسار اور سیاہ تل
 ایک دوسرے کے لئے باعث موزو نیت ہیں
 لگتا ہے کہ محبود اور ایاز دونوں ہدم
 ساتھ ساتھ بیٹھے ہیں۔

اگر تمہارا چہرہ زلفوں میں چھپ گیا ہے
 تو کوئی بات نہیں
 اب حیات بھی تو ظلمات میں نہاں ہے۔

تیری زلفوں، رخساروں اور لب لطین سے
 شام، شفقت اور سحر پیدا ہوئی ہیں۔

تیرے دہن میں در دندان کی چمک
 گویا ادھ کھلی کلی میں شبنم کے قطرے چمک رہے ہیں۔

تیرے غمزوں نے میرے دل کو کچھ آج ہی زخمی نہیں کیا
 یہ تو سدا سے یوں ہے جیسے گوشت کو چھری۔

(۲۸)

روئے بغیر چشم سیاہ
کسی کی طرف مائل نہیں ہوتی
زگس کا پھول
ندی کی نبی سے کھلتا ہے۔

کوئی بغیر زحمت اٹھائے
راحت حاصل نہیں کر پاتا
تیری وفا اور جنادونوں
اپنا اثر تقسیم کیے ہوئے ہیں۔

رحمٰن کے اشعار کا چرچا
چار دانگ عالم میں
تمارے حسن کی توصیف کے سبب سے ہے۔

اگر تم دنیا کے بکھیوں اور الجھنوں پر نظر ڈالو
تو معلوم ہو گا کہ ان کی کوئی حد اور کوئی حساب نہیں۔

جو غم بھی تم پر ٹوٹے سہ جاؤ اور خاموش رہو
اگر تم نے ایسا نہ کیا تو دشمن خوش ہوں گے
اور تمہارے دوست پریشان ہوں گے

صبر کو اپناو

اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری آرزو پوری ہو جائے
جلد بازی اور عجلت سے کچھ حاصل نہ ہو گا
جلدی کاموں میں رخنے ڈالتی ہے۔

راضی برضا رہو
اور قضا کے لئے فراغت حاصل کر کے تیار رہو
اور اگر تم نے اس کے بر عکس کیا
تو اپنے آپ کو برباد کر ڈالو گے۔

آزادی اور کاروبار حیات
دونوں میں بعد ہے
اگر کچھ کرنا ہے
تو ان بکھیوں سے اپنے آپ کو آزاد کرو۔

رحمن! تم خود دنیا کو فانی تسلیم کرتے ہو
تو پھر اس فانی دنیا کی چیزوں پر
کیوں اعتبار کرتے ہو۔

اگر تمہیں
دنیا بھر کے غم بھی گھیر لیں
تو ذرا غم نہ کرو
آخر کاریہ مل جائیں گے۔

غم وہ ہے
جو کسی کے سامنے موجود ہو
غم تو آئی جانی والی چیز ہے
نئے غم آتے ہیں پرانے غم گزر جاتے ہیں
اور ہم ان غموں کو بھول جاتے ہیں۔

دنیا میں صرف خدا کے بغیر
کوئی شے بھی ایک حال میں نہیں رہتی
انسان کی حیثیت تو باث کی سی ہے
کبھی شیر شاہی وزن
کبھی سیر بن کر گھٹ جاتا ہے۔

صرف آدمی ہی ہے
جو رنگ رنگ کے جلوے دکھاتا ہے
کبھی زور آور بن جاتا ہے کبھی زیر ہو جاتا ہے
دنیا کے کاموں کو کبھی قرار نہیں
پلک جھپک میں کیا کیا انقلابات آجاتے ہیں۔

اس مختصر عرصہ حیات میں
اتنے زیادہ غم کیوں کرنازل ہو جاتے ہیں

یہ دراصل انسان کی اپنی بے صبری سے بڑھتے ہی رہتے ہیں۔

خریدار اور بیچنے والے
جب سودے میں متفق ہوں
تو نقصان کا خدشہ ختم ہو جاتا ہے۔

دنیا میں حسیناوں کی کوئی کمی نہیں
لیکن کیا "رحمٰن" کے محبوب کا کوئی مقابل پیدا ہو سکتا ہے۔

ان ہرجائیوں کو محبوب کیا قدر ہو گی
جن کے یار ہر جگہ، ہر سمت اور ہزاروں ہوں۔

حقیقی عاشق وہ ہے جو اپنے محبوب پر قریان ہو جائے
جس کی محبتوں کا مرکز ایک ہو
اور وہ دوسروں کو تجھ دے۔

اگر میرا صبر و قرار حد سے بڑھ جائے
تو مجھ پر صبر و قرار حرام ہو جائے
زندگی کا حسن محبوب کے وصال پس ہے
جو زندگی محبوب کے بغیر کئے
وہ زندگی بے مصرف اور بیکار ہے۔

اگر کوئی اپنے محبوب کے ہاتھوں
آگ میں جلتا ہے
تو وہ آتش عاشقوں کے لئے گلزار کی سی حیثیت رکھتی ہے۔

محبت آزار نہیں
اور اللہ نہ کرے کہ میرے دل میں تیری محبت
ذرہ برابر بھی دکھ پیدا کرے۔

انہیں عاشق مت کو
جنہیں یا تو اپنے سر کی فکر ہے یا دستار کی
عشق میں عاشق کو جان و مال سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔
اس شخص کے لئے دوزخ مقام ہے

جو زنار پہنتا ہے
لیکن تیری زلفوں کے زنار
جو بھی اپنے گلے میں حاصل کرے
اس کے لئے یہ سزا موقوف ہے۔

اگر تیری زلفوں کا زنار
کوئی اپنے گلے میں حاصل کر لے
اور دوزخ کی آگ میں جلنے لگے
تو وہ دراصل یہ آگ تو تیرے رخساروں کی ہو گی۔

وہ دو شیزہ لیلیٰ کی طرح رسوا ہو کر رہے گی
جس کے در پر ”رحمٰن“ جیسا مجنوں پڑا ہو گا۔

اگر تمہاری محبت غیر کے لئے ہے
تو پھر میں تیری خاطر اغیار
کو بھی دوست سمجھوں گا

اگر کوئی ایک چہرے کا عاشق زار ہو
تو اس کے لئے ایک چہرے میں
ہزار چہروں کے جلوے نہاں ہوتے ہیں۔

وہ جو بادشاہوں کی ملازمت میں ہوتے ہیں
وہ بادشاہوں کے دربانوں کے بھی مڑھوں منت رہتے ہیں۔

میں تمہاری خاطر اپنے رقبوں کو بھی برداشت کر لوں گا
اس مثل کے مصدق کہ گلاب کے ساتھ خار بھی ہوتے ہیں۔

گل کا قرب پانے کے لئے بلبل کو
سو کانٹوں کی چبھن اپنے سینے میں سنی پڑتی ہے۔

اپنے ساتی کی راہ میں اپنا سجادہ بھی فرش کی طرح بچھا دیتا ہے،
ہر وہ صوفی جو محبوب کی خمار آلوں آنکھوں کا طلبگار ہوتا ہے۔

کوئی افلاطون جیسا عاقل و دانشور کیوں نہ ہو
عشق کا جذبہ اسے دانش سے دیوانگی کی جانب کھینچ لاتا ہے۔

ہر وہ شخص جو تیرے چہرے کی ایک جھلک دیکھ چکا ہے
وہ "رحمٰن" کو تیرے دیدار پر قطعاً "برا بھلانہ" کہہ سکے گا۔

میرے سامنے کی بات ہے
کہنی وہن شکر کی لذت سے آشنا تھے
پھر یوں ہوا کہ زمانے کی تمنی نے
انسیں منی میں ملا دیا۔

ضندل کے درخت
کا نپے اور پھر معدوم ہو گئے
شمشاو کے درخت کی ہزار شاخیں
آرے سے کٹ کر زمین بوس ہو گئیں۔

ان زمینوں پر
جہاں محلات آسمانوں سے باتمیں کرتے تھے
گردش ایام نے ان پر
ایسا ہل چلا دیا
کہ انیں گورستان میں بدل دیا۔

جو شخص دنیا میں
آشنائی کی بنیادیں استوار کرتا ہے
فراق کی تکوار اس کے لئے
ساتھ ساتھ ہی تیز ہوتی ہوتی ہے۔

خدا نے فلک کو
کچھ ایسی خوبی عطا کی ہے
کہ یہ کسی کے لئے دست دعا بن جاتا ہے
اور کسی کے لئے بد دعا کا موجب بنتا ہے۔

اے رحمن!
اس دنیا کے
حیین محلات کی تمام ائمیں
تیرے لئے سروں کے میناروں میں ڈھل گئی ہیں۔

کلام بلحے شاہ
(۱۶۸۰ء - ۱۷۵۲)

مترجم
راشد مسین

بلیسے شاہ (۱۹۸۰ء۔۵۸)

راشد متن

بلیسے شاہ مغلیہ سلطنت کے عالمگیری عمد کی روح کے خلاف رو عمل کا نمایاں ترین مظہر ہیں۔ ان کا تعلق صوفیاء کے قادریہ مکتبہ فکر سے تھا ان کی زہنی نشوونما میں قادریہ کے علاوہ شماریہ فکر نے بھی نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ اسی لئے ان کی شاعری کے بغایہ فکر کی بعض بنیادی خصوصیات شماریوں سے مستعار ہیں۔ ایک بزرگ شیخ عنایت اللہ قصوری، محمد علی رضا شماری کے مرید تھے۔ صوفیانہ مسائل پر گمراہ نظر رکھتے تھے اور قادریہ سلسلے سے بھی بیعت تھے اس لئے ان کی ذات میں یہ دونوں سلسلے مل کر ایک نئی ترکیب کا موجب بنے۔ بلیسے شاہ اپنی شاہ عنایت کے مرید تھے۔

بلیسے شاہ کا اصل نام عبداللہ شاہ تھا۔ ۱۹۸۰ء میں مغلیہ راج کے عروج میں اوج گیلانیاں میں پیدا ہوئے کچھ عرصہ یہاں رہنے کے بعد قصور کے قریب پانڈوں میں منتقل ہو گئے۔ ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی۔ قرآن ناگر کے علاوہ گلستان بوستان بھی پڑھی اور منطق، نحو، معانی، کنز قدوری شرح و قایہ، سبقاء اور بحر اطیواہ بھی پڑھا۔ شماریہ خیالات سے بھی مستفید ہوئے۔ مرشد کی حیثیت سے شاہ عنایت کے ساتھ ان کا جنون آیمیز رشتہ ان کی مابعد الطبیعت سے پیدا ہوا تھا۔ وہ کچھ وحدت ابوجوی تھے اس لئے ہر شے کو مظہر خدا جانتے تھے۔ مرشد کے لئے انسان کامل کا درجہ رکھتے تھے۔ مصلحت اندیشی اور مطابقت پذیری کبھی بھی ان کی ذات کا حصہ نہ بن سکی۔ ظاہر پسندی ہر تقدیم و طفرہ مدد وقت ان کی شاعری کا پسندیدہ جزو تھی۔ ان کی شاعری میں شرع اور عشق یہ شہ متصادم نظر آتے ہیں اور ان کی ہمدردیاں یہ شہ عشق کے ساتھ ہوتی ہیں۔ ان کے کلام میں عشق ایک ایسی زبردست قوت بن کر سامنے آتا ہے جس کے آگے شرع بند نہیں باندھ سکتی۔

اپنی شاعری میں وہ مذہبی ضالبوی پر ہی تھیں کرتے بلکہ ترک دنیا کی ذمہ کرتے ہیں اور مخفی علم کے جمع کرنے کو وہ بال جان قرار دیتے ہیں۔ علم کی مخالفت اصل میں علم بغیر عمل کی مخالفت ہے۔ اگر بنظر غائزہ دیکھا جائے تو احساس ہوتا ہے کہ بلیسے شاہ کی شاعری عالمگیری عقیدہ پرستی کے خلاف رو عمل ہے۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ چونکہ لا قانونیت، خانہ جنگلی، انتشار اور افغان طالع آزماؤں کی وحشیانہ مہموں میں بس رہا تھا اس لئے اس کا گمراہ ان کے افکار پر بھی پڑا۔ ان کی شاعری میں صلح کل، انسان دوستی، اور عالم گیر محبت کا جو درس ملتا ہے وہ اسی معروضی صورت حال کے خلاف رو عمل ہے۔

بلیسے شاہ کا انتقال ۱۹۵۸ء میں قصور میں ہوا اور یہیں دفن ہوئے۔ ان کے مزار پر آج تک عقیدت مند ہر سال ان کی صوفیانہ شاعری کی عظمت کے گن گا کر انہیں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

میراول ”الف“ اللہ کی بنابر ہی سرخ ہے

میراول ”الف“ اللہ کی بنابر ہی سرخ ہے
”ب“ کے بارے میں میں قطعاً ”لا علم ہوں
”ب“ پڑھنے سے کچھ بھی تو سمجھ میں نہیں آتا
البتہ ”الف“ کا لطف خوب خوب آتا ہے
مجھے تو ”ع“ اور ”غ“ کے مابین بھی فرق معلوم نہ تھا
یہ رمز بھی ”الف“ ہی کی بدولت کھلی
بلیں۔ قول تو ”الف“ ہی کے برق ہیں
بدول کو مصقاً کر دیتے ہیں

جیسی صورت "ع" کی

جیسی صورت "ع" کی ہے۔
"غ" کی صورت بھی ویسی ہے
فرق ہے تو محض ایک نقطے کا
جس کے لئے جہاں بھر سرگردان ہے۔

اب تو جاگ

مرے مسافر اب تو جاگ اٹھ
رات بیت چلی ہے اور ستارے بھی ماند پڑ گئے ہیں

تیرا قیام آواگوں کی سرائے میں ہے
تیرا ساتھ دینے کو دو سرے مسافر بھی تیار ہیں
تو نے ابھی تک کوچ کا نقارہ ہی نہیں نا
مرے مسافر اب تو جاگ اٹھ
کچھ کر لے کر عمل کا وقت آج ہی ہے
یہاں دوبارہ آنا ممکن نہیں
اب تو ساتھی بھی چلو چلو پکار رہے ہیں
مرے مسافر اب تو جاگ اٹھ

موتی جواہرات پارس اور سونا
اک سمندر تیرے قریب ہو اور تو پیاسا رہے
آنکھیں کھول بیکار شخص اٹھ بیٹھ
میرے مسافر اب تو جاگ اٹھ

بلجھے! محبوب کے پاؤں پکڑ لے
غفلت چھوڑ اور کچھ حیلہ کر
بغیر جتن کئے تو ہر ن بھی
کھیت کے اجڑ کا سبب ہی ہوتا ہے۔
مرے مسافر اب تو جاگ اٹھ

اپنا ٹھکانا بتا

اپنا ٹھکانا تو بتا
تو کہاں سے آیا ہے اور کہ ہر جانا ہے تجھے۔

جس بیرے پر تو اتر ارہا ہے
وہ تیرے ساتھ تو نہ جائے گا

ظلم کرنا لوگوں کو ستانا
اور لوٹ کھانا تو نے اپنا معمول بنالیا ہے
اوہ ہم مچانے کے چار ہی تو دن ہیں
بلآخر تجھے یہاں سے جانا ہی پڑے گا

چلو شر خاموشان میں جائیں
جهاں بھی کو سمانا ہے
کشیاں بھر بھر کر لے جانے والا
ملک الموت قوی بھی ہے اور ہوشیار بھی

اور بلمحات سب میں سب سے پرانا گناہ گار ہے

اپنا ٹھکانا تو بتا
تو کہاں سے آیا ہے اور کہ ہر جانا ہے تجھے۔

مجھے اپنے سنگ سنگ رکھنا

مجھے اپنے سنگ سنگ رکھنا پیارے۔ اپنے سنگ سنگ رکھنا

عزم سفر کروں تو چنگھاڑتے صحراء جنگل درخت اور بلا میں
بھیڑیے چیتے اور خونخوار درندے راستے روکنے کو آکھڑے ہوتے ہیں

تیرے پار تو موجیں مارتا ہوا دریا چڑھا ہوا ہے اور کنارے کنارے
لاکھ بلا میں موجود ہیں۔

دل خوف سے تھر تھر کانپ رہا ہے میری کشتی تو ہی پار لگا
اور بلجھے شاہ کو اپنے محبوب کا مکھڑا گھوگٹ کھول کر دکھادے۔

مجھے اپنے سنگ سنگ رکھنا پیارے اپنے سنگ سنگ رکھنا۔

دوست بھی ہمائے سے اٹھ چکے

دوست بھی ہمائے سے اٹھ چکے۔
خدا یا اب کیا کریں۔

اٹھ چلے اب نہیں رکتے۔
ساتھی بھی تیار ہیں۔
خدا یا اب کیا کریں

چاروں جانب روائی کے چرچے ہیں
ہر طرف یہی شور (اعلان) ہے
خدا یا اب کیا کریں

کلیج میں الاؤ جل جل اٹھتے ہیں
اب تک تیرا دیدار نہیں ہو پایا
خدا یا اب کیا کریں

بلجے، محبوب (حقیقی) کے بغیر
ہم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے۔
خدا یا اب کیا کریں

اک نقطے میں باتِ مکمل ہو جاتی ہے

بس ایک نقطہ پکڑ لے اور حساب کتاب کو چھوڑ
دوزخ اور قبر کے عذاب بھی بھول جا
کفر کے دروازے بند کر دے
دل کے خواب مصفا کر لے
حقیقت ایسے ہی گھر میں بسیرا کرتی ہے
اور ایک نقطے میں باتِ مکمل ہو جاتی ہے

یونہی اپنی پیشانی زمیں پر رکھتا ہے
اور ماتھے کا محراب لوگوں کو دکھاتا پھرتا ہے
پڑھ پڑھ کلے جگ ہنسائی کا موجب بنتا ہے
لیکن یہ سمجھ بوجھ دل کے اندر نہیں لے آتا
کہیں بھی بات بھی چھپی رہتی ہے
ایک نقطے میں باتِ مکمل ہو جاتی ہے

ایک وہ ہیں جو جنگلوں اور ویرانوں کا رخ کرتے ہیں
اور کھانے میں روزانہ محض ایک دانے پر اکتفا کرتے ہیں
نا سمجھ خواہ مخواہ اپنا بدن تھکا لیتے ہیں
اور تھکے ہارے گھروں کو لوٹتے ہیں
چلے کاٹ کاٹ کر بدن سوکھ کر رہ جاتا ہے
حالانکہ ایک نقطے میں بات مکمل ہو جاتی ہے

کئی تو حاجی بن کر آئے ہیں
تن پر نیلے رنگ کے ملبوس پہنے
یہی لوگ جو پیچ کر پیسے کماتے ہیں
لیکن یہ (چی) بات کے گوارہ ہے
کوئی چی بات کو بھلا بروک سکتا ہے
بات اک نقطے میں مکمل ہو جاتی ہے

بلھے کیا جانوں میں کون ہوں

بلھے کیا جانوں میں کون ہوں

نہ مسجدوں میں، میں مومن ہوں
نہ میں کفر کی کسی کسی لڑی سے مسلک ہوں
میں پاکبازوں میں ناپاک بھی نہیں
نہ میں موکی ہوں نہ ہی فرعون ہوں
بلھے کیا جانوں میں کون ہوں

میرا بسر پلیدی اور پاکی میں بھی نہیں
نہ کسی خوشی میں نہ کسی غمی میں
نہ ہی آبی ہوں اور نہ ہی خاکی
میں آگ بھی نہیں ہوں اور نہ ہی ہوا
بلھے کیا جانوں میں کون ہوں

میں بنے مذہب کا بھید بھی نہیں پایا
نہ مجھے آدم و حوانے جنا
مجھے تو کوئی نام بھی نہیں دیا گیا
نہ بیٹھنے والوں میں ہوں نہ گھونٹنے والوں میں
بلھے کیا جانوں میں کون ہوں

اول و آخر گویا میں ہی ہوں
کوئی دوسرا پچانا ہی نہیں جاتا
مجھ سے بڑھ کر ذی عقل کون ہے
بلھے! وہ سامنے کون کھڑا ہے؟
بلھے کیا جانوں میں کون ہوں

بلھے کو سمجھانے آئیں

بہنیں اور بھاپیاں بلھے کو سمجھانے آئیں
بلھے ہمارا کہنا مان اور ارائیوں کا دامن چھوڑ دے
تو نے تو آل نبی اولاد علی کی عزت کا پاس بھی نہیں رکھا

اب جو بھی ہمیں سید پکارے دوزخ کی سزا پائے
اور جو ہمیں ارائیں کئے وہ بہشتی پیسکھ جو بلے

ارائیں تو ہر جگہ سائیں (عالیٰ مرتبت) ہیں۔ خدا کی بے نیازی ہے
خوبصورتوں کو پرے ہٹا کر کچ صورتوں کو سینے سے لگالیا ہے

اگر باغوں اور بھاروں کو ڈھونڈنا ہے تو ارائیوں کی چاکری اختیار کر
بلھے شاہ کی ذات کیا پوچھتا ہے خدا کی رضا پر شاکر ہو جا

تیرے عشق نچایا

تیرے عشق نے مجھے تھیا تھیا کر کے نچایا ہے
 تیرے عشق نے میرے من میں ڈیرے ڈال دیئے ہیں
 زہر سے لباب یہ پالہ میں نے خود ہی پیا ہے
 اے طبیب آنکھ جھپٹتے میں پنج ورنہ میں مرجاں گی
 تیرے عشق نے مجھے تھیا تھیا کر کے نچایا ہے

سورج تو چھپ گیا مگر اس کی سرخی ابھی باہر ہے
 اگر دوبارہ دکھائی دے جائے تو میں قربان ہو جاؤں
 مرشد مجھ سے بھول ہوئی کہ تمہارے ساتھ نہ گئی
 تیرے عشق نے مجھے تھیا تھیا کر کے نچایا ہے

مال مجھے اس عشق سے مت روک
 تیز پانیوں میں بہتی کشیوں کو کون واپس لا سکتا ہے
 یہ تو میری عقل سے بھول ہوئی
 کہ زور آواروں کے ساتھ چل پڑی
 تیرے عشق نے مجھے تھیا تھیا کر کے نچایا ہے۔

عشق کے اس پڑاؤ میں مور بولتے ہیں
سوہنا یار قبلہ و کعبہ معلوم ہوتا ہے
مجھے گھائیں کر کے دوبارہ خبر تک نہیں لی
تیرے عشق نے مجھے تھیا تھیا کر کے نچایا ہے

بلھا! محبوب مجھے شاہ عنات کے در پر لے آیا
جس نے مجھے بزر اور سرخ چوٹے پہنوانے
جب میں نے ناچنے کے لئے ایڑی ماری
تو اک آشتنی حاصل ہوئی
تیرے عشق نے مجھے تھیا تھیا کر کے نچایا

چپ رہ کے گزارا کر

چپ رہ کے گزارا کر
چ سن کر لوگ برداشت نہیں کرتے

چ کہیں تو الجھ پڑتے ہیں
چ کے پاس بھی نہیں بیٹھتے
چ تو پیارے عاشق کو ہی شیریں لگتا ہے
چپ رہ کے گزارا کر

شرع کے مطابق چ بربادی کا موجب ہے
اور عاشق کے لئے خوشی کا باعث
چ کی بدولت ایک نئی دنیا جنم لیتی ہے
جیسے طریقت پر عمل کرنے والے کے لئے شرع
چپ رہ کے گزارا کر۔

عاشق سے چپ نہیں رہا جا سکتا
چ اس کے لئے خوبیوں کی صورت ہے
جیسے ساگ کی ملاگوندھ رکھی ہو
چھوڑ دنیا جو سراسر جھوٹ ہی جھوٹ ہے
چپ رہ کے گزارا کر

مخلوق تو تماشے کے لئے آئی ہے

مخلوق تو تماشے کے لئے آئی ہے
 آج کیا کیا ہے؟ کل کیا کرنا ہے؟
 ہماری پوچھ گچھ شروع
 کیا ری میں ایسا کیا بولیا
 کہ کھیت چڑیوں نے اجازہ دیا

ایک طعنہ تو محبوب کا ہے اور دوسرا دنیا بھر کا
 نگ و ناموس یہیں کے نیمیں رہ جائیں گے
 یہ گزری اتار کے زمین پر پڑھ دے

جو ان کیا اور بوڑھے کیا سب
 اپنی اپنی باری پر نہیں بوس ہو جاتے ہیں
 کیا بی بی کیا باندی کیا لونڈی کیا دھون کیا بھٹھیاری بھی

بلما محبوب کے دیدار کو جاتا تو ہے
 مگر خود ہی بہانے بناتا ہے
 طرح طرح کی منٹی سے طرح طرح کے برتن
 گھڑ کے ان کی ٹھیکریاں بناؤالتا ہے

یہ تماشا دیکھ کے آگے چل پڑا
 اور اگلا بازار دیکھ
 واہ دربار میں کیا رونق گئی ہوئی ہے
 مخلوق تماشا دیکھنے کے لئے آئی ہے۔

چرخے کی دستی ڈھیلی ہو گئی ہے

پرخے کی دستی اتنی ڈھیلی ہو گئی ہے
 کہ کاتنا بھی ممکن نہیں رہا
 تکلے میں بار بار بل پڑ جاتے ہیں۔
 اب لوہار کو کون بلوائے
 اے لوہار تکلے کے بل نکال دے

کہ تند بار بار نوٹ جاتی ہے
 یہ گھری گھری ہچکو لے سے کھانے لگتا ہے
 اور ایک اٹی بھی تیار نہیں ہونے پاتی
 بیڑی باندھنے کے لئے رسی نہیں ہے
 اور بائیٹ گرفت میں نہیں آتی
 چڑیوں پر چکنائی نہیں ہے
 اور ماہل میں سے عجیب عجیب آوازیں نکلتی ہیں
 چرخے کی دستی اتنی ڈھیلی ہو گئی ہے
 کہ کاتنا بھی ممکن نہیں رہا

دن جانے کب ڈھلے
 اور محبوب اپنا کھڑا مجھے دکھائے
 ماہی تو بھینسوں کے ساتھ چلا گیا ہے
 اب کاتنا کیسے بھائے
 جس سمت ماہی اسی سمت آنکھیں
 دل بھی بیلے کی طرف لپکتا ہے
 سیلیاں تریخن میں کاتنے کے لئے بلا تی ہیں

مگر میرے لئے فراق کا ذہول بجتا ہے

میری عرض تو یہی ہے کہ اب وہ مجھے آن ملے
مگر اس کے لئے کے وسیلہ بناوں
بلجھے! سو من سوت کات لیا ہے
کہ محبوب مجھے گلے لگائے
دن جانے کب ڈھلے
اور محبوب اپنا مکھڑا مجھے دکھائے

رانبھارا نجھا کرتی

رانبھا رانبھا کرتی اب میں خود ہی رانبھا ہو گئی ہوں
اب مجھے "دھیڈو رانبھا" کہہ کر پکارو اور "ہیر" مت کو

رانبھا مجھے میں ہے اور میں رانبھے میں۔ کسی غیر کا خیال ہی نہیں
یہ میں نہیں وہ خود ہی ہے جو اپنی دل جوئی خود کرتا ہے

جو ہمارے من میں با ہوا ہے ہماری ذات بھی وہی ہے
میں نے جس کے ساتھ سمبندھ کیا ہے اسی جیسی ہو گئی ہوں

لڑکی سفید چادر اتار پھینک اور درویشوں کی لوئی پن لے
سفید چادر پر تو داغ لگ جائے گا، لوئی پر کوئی داغ نہیں ہوتا

ملھے مجھے تخت ہزارے لے چل، سیال میں میرا کون ہے
رانبھا رانبھا کرتی میں خود ہی رانبھا ہو گئی ہوں

روزے، حج، نماز اے ماں

روزے، حج، نماز اے ماں
مجھے محبوب نے آکے بھلا دیئے

جونی محبوب کی خبر ملی
منطق، نحوس بھول گئے
اس نے لامحدود کے تارچھیز دیئے

روزے، حج، نماز اے ماں
مجھے محبوب نے آکے بھلا دیئے

جب محبوب میرے گھر آیا
مجھے شرح و قایہ بھول گئی
ہر مظہر میں وہی نظر آتا
اندر باہر اسی کا جلوہ
بھولے ہوئے لوگوں کو کیا خبر

روزے حج نماز اے ماں
مجھے محبوب نے آکے بھلا دیئے

عشق کی نئی سے نئی بمار

عشق کی نئی سے نئی بمار

جب میں نے عشق کا سبق پڑھا
دل میں مسجد سے خوف آیا
پوچھتے پوچھتے ٹھاکر کے دوارے جا گھا
جہاں ہزاروں ناد بختے ہیں
عشق کی نئی سے نئی بمار

وید اور قرآن پڑھ پڑھ کر تھک گئے
سجدے کر کر کے ماتھے گھس گئے
رب تیرتھ میں ملانہ کے میں
جس نے پالیا یہ نور انوار اسی کے ہیں
عشق کی نئی سے نئی بمار

مبلے جلا ڈال لوئے توڑ دے
تبیع اور عصا وغیرہ چھوڑ
عاشق تو بلند آواز سے کہہ رہے ہیں
حلال ترک کر اور مردار کھایا کر
عشق کی نئی سے نئی بمار

ہیر اور راجھے کا میل ہو گیا
بے خبر ہیر بیلے میں ڈھونڈ رہی ہے
جبکہ راجھا محبوب اس کی بنی میں موجود ہے

ہوش ہی نہیں رہا ہوش سنبھال
عشق کی نئی سے نئی بمار

اویار مزید علم نہیں چاہئے

اویار مزید علم نہیں چاہئے
تجھے تو محض ایک "الف" درکار ہے

علم شمار میں کب آتا ہے
بیت جانے والی عمر کا اعتبار نہیں
تجھے تو محض ایک الف درکار ہے

اویار علم نہیں چاہئے
اویار علم نہیں چاہئے

پڑھ پڑھ لکھ کر ڈھیر لگا دیئے ہیں
چاروں جانب کتابیں ہی کتابیں ہیں
ارو گرد روشنی ہے اور اندر اندر ہمرا
اور اگر "راستہ" پوچھو تو اتنہ پتہ
اویار مزید علم نہیں چاہئے

تو نہمازوں میں بے شمار نفل پڑھتا ہے
اوپھی آواز میں تیری اذانیں چھینیں معلوم ہوتی ہیں
منبر پر چڑھ کر وعظ سناتا رہتا ہے
تجھے اس علم نے خوار کر کے رکھ دیا ہے
اویار یہ علم نہیں چاہئے

علم کی بنیار نے قصیے پیدا ہو گئے ہیں
آنکھوں والے اندھے ہو کر رہ گئے ہیں
نیکوں کو پکڑ لیتے ہیں اور چوروں کو چھوڑ دیتے ہیں
یہ تو دونوں جہانوں کے لئے رسائی ہے
اویار ایسا علم نہیں چاہئے

پڑھ لکھ کر تو شیخ کہلواتا ہے
اٹھ سیدھے مسلے از خود گھڑ لیتا ہے
بے عملوں کو لوث لوث کر کھا رہا ہے
اور جھوٹ پے اقرار کرتا رہتا ہے
اویار ایسا علم نہیں چاہئے

ملا پڑھ لکھ کر قاضی ہو گئے ہیں
(حالانکہ) اللہ تو علم کے بغیر بھی راضی ہو جاتا ہے
مگر تمہاری لائج روز بروز پڑھتی چلی جا رہی ہے
تجھے اسی حرص نے خوار کر کے رکھ دیا ہے
اویار ایسا علم نہیں چاہئے

تو لوگوں کو مسئلے پڑھ پڑھ کر سنا تارہتا ہے
تیرا تو رزق بھی شک شبھی سے خالی نہیں
تو پتا تا کچھ اور ہے اور کما تا کچھ اور ہے
تیرے اندر کھوٹ ہے اور تو باہر سے سچا بنتا ہے
اویار ایسا علم نہیں چاہئے

جب میں نے عشق کا سبق پڑھا
تو گویا دریائے وحدت میں اتر گیا
بار بار بھنوروں کی زد میں بھی آیا
لیکن شاہ عنایت نے مجھے پار لگا دیا
اویار مجھے مزید علم نہیں چاہئے

کتے تجھ سے برتر ہیں

راتوں کو جاگتے ہو اور عبادتیں کرتے ہو
راتوں کو تو کتے بھی جاگتے ہیں
تجھ سے برتر ہیں

بھونکنے سے کبھی باز نہیں آتے
گندگی کے ڈھیر پر سو جاتے ہیں
تجھ سے برتر ہیں

اپنے مالک کا دروازہ نہیں چھوڑتے
چاہے جتنے بھی جو تے پڑیں
تجھ سے برتر ہیں

بلیخے شاہ! سفر کے لئے کوئی زاد سفر لے لے
ورنہ کتے تجھ سے بازی لے جائیں گے
تجھ سے برتر ہو کر

لڑکی کاتنے کی طرف دھیان کر

لڑکی کاتنے کی طرف دھیان کر

بیٹی! ماں تجھے ہمیشہ نصیحتیں کرتی ہے
بے مقصد کیوں پھرتی رہتی ہے۔ ادھر آ
شرم و حیاء کو مت گنواء بیٹی
نادان لڑکی کبھی تو یہ بات سمجھ
اور کاتنے کی طرف دھیان کر

اس پلگی کو ہمیشہ نصیحت کرتی ہوں
اس معصوم اور سیدھی سادھی لڑکی کو
جب آکیلی جان پر کوئی مشکل آن پڑے گی
تو بار بار افسوس ہو گا
لڑکی کاتنے کی طرف دھیان کر

آج گھر میں نئی کپاس آئی ہے
تو فوراً بیلنا تیار کر لے
روئی بیل کر دھنے کے لئے لے جا
آنے والا کل ان کاموں کے لئے تمہارا نہ ہو گا
لڑکی کاتنے کی طرف دھیان کر

میکے میں تمہارا راج محض چار دن کا ہے
اے کھیل کو دیں مت گزار دے
بے کار مت رہ کوئی کام کر
اپنا گھر بار و بار ان مت کر
اور کاتنے کی طرف دھیان کر

تمہیں ہمیشہ میکے میں نہیں رہنا
نہ ہی ماں کے پاس بیٹھے رہنا ہے
بلآخر جدا ہی برداشت کرنا ہو گی
اور تم ساس اور نندوں کے بس پڑو گی
لڑکی کاتنے کی طرف دھیان کر

کچھ کات لے اور کچھ کتوالے
تانی تان کر کچھ بنوالے
اپنا جیز رنگووالے
تمہیں تب ہی پر دھان سمجھا جائے گا
لڑکی کاتنے کی طرف دھیان کر

اپنے حسن اور جوانی کا مان نہ کر
سیلانی پر دیس میں کب رہتا ہے
اس فانی اور جھوٹی دنیا کا
نام نشان تک نہ رہے گا
لڑکی کاتنے کی طرف دھیان کر

اک کئھن وقت آنے والا ہے
سب رشتے ناطے ساتھ چھوڑ جائیں گے
اس مشکل وقت میں جو مدد کر کے پار آتا رے گا
وہ بلیسے کا سلطان (مرشد) ہے
لڑکی کاتنے کی طرف دھیان کر

کیسی توبہ

یہ توبہ کیسی توبہ ہے۔ یار ایسی توبہ نہ کر

زبان سے توبہ اور دل سے نہیں
تو ایسی توبہ کو ترک بھی نہیں کرتا
تم پر کسی غفلت نے پردے ڈال دیئے ہیں
خدا تمہاری مغفرت کیوں کرے
یار ایسی توبہ نہ کر

تو برا بر دیتا ہے اور سوایا حاصل کرتا ہے
بلکہ ڈیوڑھے کے لئے بھاگتا ہے
جس کا یہ کردار ہو وہ مکمل مسلمان کیسے ہو سکتا ہے
یار ایسی توبہ نہ کر

جہاں نہ جانا ہو تو وہاں جاتا ہے
بیگانہ حق جھوٹ بول کر مار لیتا ہے
سر پر جھوٹی کتابیں اٹھا لیتا ہے
کوئی تیرا اعتبار کیا کرے
یار ایسی توبہ نہ کر

ظالم ظلم کرنے سے نہیں ڈرتے
اپنے کیے کی سزا خود ہی پاتے ہیں
یہ خدا کا خوف دل میں نہیں لاتے

اور یہاں وہاں دونوں جگہ خوار ہوتے ہیں
یہ توبہ کیسی توبہ ہے
یا راہیسی توبہ نہ کر

گھڑیاں کو نکال دو

گھڑیاں کو نکال دو۔

آج محبوب بھن کے گھر آیا ہے
یہ گھڑی گھڑی گھڑیاں بجاتا ہے
وصل کی رات کو کیم کرتا جاتا ہے
اگر وہ میرے من کی بات پالے
تو اسے چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے گھڑیاں کو نکال پھینکے
گھڑیاں کو نکال دو

ایک لا محدود ساز کی سانی آواز آرہی ہے
مطرب کسی سکھر تان کا گیت چھیڑ
صوم صلوٰۃ اور دو گانہ نمازیں بھول گئی ہیں
ساقی نے نشے کا پیالہ دے دیا ہے
گھڑیاں کو نکال دو

سب دکھ دلدر دور ہو گئے ہیں
کھڑا دیکھوں تو عجب نظارا دیکھوں
رات بیتی جا رہی ہے اس کا کوئی علاج کرو
دن کے آگے کوئی دیوار کھڑی کر دو
گھڑیاں کو نکال دو

بہترے ٹونے اور گندے کے
بڑے سے بڑے عامل آئے
تب جا کے محبوب میرے گھر آیا
جی چاہتا ہے اب لاکھ برس اس کے ساتھ رہوں
گھریالی کو نکال دو

بلھے محبوب کی سچ بہت پیاری ہے
مجھے تو تیرانے والے نے تیرایا ہے
(میں کیسے بتاؤں) کیسے کیسے میری باری آئی
اب تو پچھڑنا محال ہو گیا ہے
گھریالی کو نکال دو

گھریالی کو نکال دو
آج محبوب جن کے گھر آیا ہے

گھونگٹ کی اوٹ میں مت چھپ جن

جن گھونگٹ کی اوٹ میں مت چھپ
میں تیرے دیدار کی مشاق ہوں

تیرے بغیر دیوانی ہوئی پھرتی ہوں
بسمی لوگ طنزیں کرتے ہیں
اگر یارِ لجوئی کرے
تو کوئی فریاد کروں

جن گھونگٹ کی اوٹ میں مت چھپ
میں تیرے دیدار کی مشاق ہوں

باندی بے دام بک رہی ہے
جن مل لے زندگی یونہی گزرتی جا رہی ہے
میں تو ہجر کا ایک یل نہیں سہہ سکتی
کہ گلزاروں کی بل ہوں

جن گھونگٹ کی اوٹ میں مت چھپ
میں تیرے دیدار کی مشاق ہوں

میری "بکل" کے اندر چور

میری بکل کے اندر چور ہے
میری بکل کے اندر چور

سادھو! میں اپنی فریاد کے ساڑوں
میری بکل کے اندر چور ہے
جب وہ چوری چوری نکل بھاگا
تو جگ بھر میں شور مج گیا
میری بکل کے اندر کا چور

یہ امر جس نے جان لیا بس اسی نے سمجھا
دوسرے بھی شبھے میں پڑے رہے
بھی جھگڑے اسی لمحے ختم ہو گئے
جب اندر سے کوئی اور نکل آیا
میری بکل کے اندر کا چور

عرش پر اذانیں دے دی گئیں
جو تخت لاہور تک سنائی دیں
شہزادیت نے جو کنڈیاں ڈالی ہیں
وہ ان کی ڈور چھپ چھپا کر کھینچ رہا ہے

میری بکل کے اندر چور ہے
میری بکل کے اندر چور

لبوں پر آئی ہوئی بات رکتی نہیں

بچ بولوں تو الاو بھڑک اٹھتا ہے
 جھوٹ کوں تو کچھ نہیں پچتا
 جی ہے کہ اسے دونوں باتیں بھاتی ہیں
 زبان سنبھل سنبھل کر کرتی ہے
 لبوں پر آئی ہوئی بات رکتی نہیں

اس آنگن میں پھسلن ہی پھسلن ہے
 سنبھل سنبھل کر چلو کہ اندر ہرا بھی ہے
 اندر داخل ہو کر دیکھو کہ ہے کون؟
 اور خلقت باہر کیوں ڈھونڈ رہی ہے
 لبوں پر آئی ہوئی بات رکتی نہیں

جس نے قلندر کا بھید پالیا
 گویا اپنے اندر کی راہ کھونج لی
 وہ ایسے سکھ مندر کا باسی ہے
 جہاں کوئی اونچ بچ نہیں ہے
 لبوں پر آئی ہوئی بات رکتی نہیں

ادب کی لازمی شرط یہ ہے
 کہ خدا انسان کی صورت میں جلوہ گر ہے
 سب کی یہی بات ہم جانتے ہیں
 جو کیس عیاں ہے اور کیس پناہ
 لبوں پر آئی ہوئی بات رکتی نہیں

ہم نے حقیقی علم حاصل کر رکھا ہے
جام حقیقی حرف بس ایک ہی ہے
باتی سب ادھر ادھر کی باتیں ہیں
خلقت نے خواہ مخواہ شور بربپا کر رکھا ہے
لبوں پر آئی ہوئی بات رکتی نہیں

بلجھے! محبوب تو سانس سے بھی الگ نہیں
اس کے بغیر سب بے حیثیت ہیں
لیکن ہمارے پاس دیکھنے والی آنکھ نہیں
ہمیں یہ جدا یا اسی لئے بروادشت کرنی پڑ رہی ہیں
لبوں پر آئی ہوئی بات رکتی نہیں۔

مولہ آدمی بن کر آیا

مولہ آدمی بن کر آیا

آپ ہی آہو، آپ ہی چیتا
اور آپ ہی شکاری
خود ہی مالک، خود ہی غلام
اور خود ہی یچنے والا
مولہ آدمی بن کر آیا

بازگیر نے کیا بازی کھیلی
مجھے پتلی کی طرح نچا ڈالا
میں اس گت پر ناچتا ہوں
جو محبوب نے سرماں کے ساتھ ترتیب دی ہے۔
مولہ آدمی بن کر آیا۔

میں بھنگن ہوں

میں سچ مرشد کے دربار کی بھنگن ہوں

نگے پاؤں سر کے بال میلے اور الجھے ہوئے
اور پیغام آیا ہے پار سے
تندبزب میں کچھ بن نہیں پڑتا
مجھے سنار سے کیا لینا
دھیان کا چھاج گیان کا جھاڑو
سب کام کرو دہ جھاڑ دیتا ہے
چھاج کپڑتی ہوں تو حرص کو اڑا دیتی ہوں
اور مالکو اری سے جان فیج جاتی ہے
(بڑے بڑے مسئلے) قاضی جانے یا حاکم جانے
مجھے ان بیگاروں سے فراغت ہے
رات دن میں تو یہی دعا مانگتی ہوں
کہ دربار سے دور نہ کر دی جاؤں
میں سچ مرشد کے دربار کی حقیر بھنگن ہوں

کیا بھنگن اور کیا بھنگن کی ذات
ہر کوئی ہم سے دور بھاگتا ہے
کار بیکار کے بعد وہیں بسرا کر لیتی ہوں
جہاں مرشد کا ڈریہ ہے
بھنگن کی قسمت کالاگ ہوتا ہی کیا ہے
اوڑھنی اور سرہانہ
مرشد جو بھی اپنے آپ دے دے

وہی گھر لے گئی
ہمارا مقدر تو پھٹا پڑا نالباس
بھوک یا پھر تازہ یا باسی روٹی
فانے کی سختیاں بھیک کا کشکول
یہی ہماری روٹش ہے
خس و خاشاک اور جھاڑیاں تنگے
سر کنڈے ہی ہمارا کسب ہیں

میں پچے مرشد کے دربار کی حیر بھنگن ہوں

مجھے عشق لگا

مجھے عشق لگا اک انوکھا
سب سے پہلے کا اور روز ازل کا

یہ نہ صرف کڑا ہی میں تل کر ڈالتا ہے
بلکہ تلے ہوؤں کو بھی دوبارہ تلتا ہے

مرے ہوؤں کو دوبارہ مارتا ہے
دلے ہوؤں کو دوبارہ دلتا ہے

معلوم نہیں سوکھے گھاس میں کوئی چنگاری ہے
یا ایک بڑا کانٹا سا کلیج سے آرپار ہوا جاتا ہے

بلجھے! محبوب کا پیار انوکھا ہے
اسے کسی شے کے ساتھ ملایا نہیں جاسکتا

مجھے اک انوکھا عشق لگا ہے
سب سے پہلے کا روز ازل کا

ہندو نہیں، نہ مسلمان

میں ہندو نہیں نہ مسلمان ہوں
غور تج کرتے نجیں میں بیٹھتی ہوں

نہ سُنی ہوں نہ شیعہ
صلح کل کی پر چارک ہوں

نہ میں بھوکی ہوں نہ سیر
نہ بہمنہ ہوں نہ لمبوس

نہ رونے والوں میں ہوں نہ ہنسنے والوں میں
نہ اجزے ہوؤں میں ہوں نہ بنسنے والوں میں

نہ گناہ گاروں میں ہوں نہ پرہیز گاروں میں
گناہ ثواب کا راہ بھی نہیں جانتی

بلجھے شاہ! (بات وہی ہے) جو من کو بھائے
(یہی وجہ ہے کہ) ترک اور ہندو دونوں کو تیاگ دیا ہے

میں کم علموں سے دور بھاگتا ہوں

میں ایک چوتحائی پڑھنے والوں سے
(کم علموں سے) دور بھاگتا ہوں

میرے (بظاہر) عالم فاضل بھائیوں نے
محض ایک چوتحائی پڑھ کر میری عقل گنوادی ہے

اس لئے میں ایک چوتحائی پڑھے ہوئے
لوگوں سے دور بھاگتا ہوں

کم علموں سے دور بھاگتا ہوں

تو نہیں تو میں بھی نہیں

جس! تو نہیں تو میں بھی نہیں
تو نہیں تو میں بھی نہیں

جو نیڑے کے سائے کی طرح
میرا من تیرے گرد گھوم رہا ہے
تو نہیں تو میں بھی نہیں

جب تو مجھے بلاتا ہے
میں ساتھ ہی بول پڑتا ہوں
پھر چپ نہیں ہو سکتا
تو نہیں تو میں بھی نہیں

جب سوتا ہوں تو
تو بھی ساتھ ہوتا ہے
جب چلتا ہوں تو
تو راستے میں ہوتا ہے
تو نہیں تو میں بھی نہیں۔

بلھے! محبوب میرے گھر آیا ہے
اس پر اپنی زندگی نچاہو کر دے
تو نہیں تو میں بھی نہیں اے جس
تو نہیں تو میں بھی نہیں

شاه عبداللطیف بھٹائی

(۱۷۳۲ء - ۱۷۸۹ء)

مترجم

ڈاکٹر ایاز حسین قادری

ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی

مرتبہ تاجل یوس

شہزادی بھٹائی (۱۶۸۹ء۔۱۷۵۲ء)

راشد متن

سندھی صوفیانہ شاعری میں شاہ عبداللطیف بھٹائی کا مقام بلاشبہ بلند ترین ہے۔ بحث شاہ کے مقام پر دفن یہ عظیم صوفی شاعر نہ صرف سندھ کے عوام کے لئے آج تک منع ہدایات ہیں بلکہ پاکستان بھر کے لوگ متفقہ طور پر انہیں سرچشہ رشد و ہدایت خیال کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں شاہ لطیف کو سندھی شفاقت اور تشخص کے لئے بجا طور پر علامت کی حیثیت دی جاتی ہے۔ دنیا کے کسی خطے میں کوئی بھی شخص شعر و ادب یا صوفیانہ افکار و خیالات یا سندھی شفاقتی و درستی کے بارے میں تحقیق کرنے کا یہ اٹھائے تو وہ کسی بھی طور پر شاہ لطیف کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

شاہ لطیف ۱۶۸۹ء میں سندھ کے قبیلہ بالہ میں پیدا ہوئے حصول تعلیم اور روحانی فیوض کے لئے بست سے فر کرنے کے بعد اور بست سے صوفیاء کے درہائے دولت پر حاضری دینے کے بعد بحث کے مقام پر رہائش پذیر ہوئے۔ شاہ لطیف کی بے پناہ شریت کا سبب ان کی شاعری ہے جو سارے سندھ میں خشوع و خضوع کے ساتھ گائی جاتی ہے۔ اس کا تمام کلام ”رسالو“ کی صورت میں شائع کیا گیا ہے اور کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے ”رسالو“ تیس حصوں میں منقسم ہے۔ ہر حصہ موسمی کی کسی نہ کسی ”لے“ سے موسم ہے اور اسے علیحدہ علیحدہ ”س“ رکا نام دیا گیا ہے۔ شاہ لطیف نے اپنی شاعری میں وادی سندھ کی معروف لوگ و اسٹانوں کو حقیقت مطلق تک رسائی کے لئے استخاراتی انداز سے بیان کیا ہے۔ اس طرح سی پندرہ سو ہنی ماہینوں وال اور عمر باروی

وغیرہ کے قصے مختلف جتوں اور صوفیانہ تجربات سے گذر کر خداۓ مطلق تک رسائی کے حامل نظر آتے ہیں۔
شah عبدالطیف بھٹائی نے بعض مورخوں کے مطابق ۱۷۵۲ء میں بحث شاہ کے مقام پر وفات پائی اور یہیں
دفن ہوئے۔ ان کے لاکھوں عقیدت مند ہر سال انسیں خراج تھیں پیش کرنے کے لئے ان کے مزار پر جمع
ہوتے ہیں اور ان کے کلام سے دلوں کو منور کرتے ہیں۔

سرکلیان

اول اللہ علیم، اعلیٰ عالم کا مالک،
وہ قادر اپنی قدرت سے قائم ہے قدیم
وہ والی، واحد، وحدہ، رازق رب رحیم ہے۔
شاکروں پے آقا کی، پلے حمد حکیم کہہ کر
اس مبود برحق نے اپنے لطف و کرم سے تخلیق کائنات کی

تم جو وحدہ لا شریک لہ کہتے ہو،
محمدؐ کو دل کی گمراہی سے، سب (تخلیق کائنات) سمجھو
پھر کیوں جا کے دوسروں کے آگے سر جھکاتے ہو

جس نے وحدہ لا شریک لہ کہا،
انہوں نے دل کی گمراہی سے محمدؐ کو تخلیق کائنات کا سب تسلیم کیا
پھر وہ صحیح راتے سے نہیں بھٹکے

جن کو وحدہ نے نکڑے نکڑے کیا
اور الا اللہ نے دو حصوں میں کائنات۔
کون بد قسمت ہو گا جو وہ حڑ دیکھ کر
ان جیسی منزل پانے کی خواہش نہ کرے گا۔

وحدہ لا شریک لہ وحدانیت کی پہچان ہے۔
جنہوں نے شرک کیا وہ گمراہ ہوئے

میری بیماری نے یہ اثر کیا
کہ محبوب کو بھی احساس ہوا
دار پر چڑھنے ہی سے فائدہ ہوا

دار بلارہا ہے
اے سکھو! تم میں سے کوئی چلے گا؟
وہاں جانا پڑ گیا ہے
جمان عشق کا نام لیتے ہیں۔

دار عاشقوں کو بلارہا ہے
اگر تجھے وصل کی آرزو ہے تو قدم پیچھے نہ ہنا
سر کو الگ رکھ کے
پھر عشق کی بات کرنا۔

دار عاشقوں کی زیب و زینت ہے۔
پیچھے ہننا ان کے لئے مغیوب ہے
آگے بڑھنا ان کا شیوه ہے
عاشقوں نے شروع ہی سے مرتباً قبول کیا ہے

اے چھری! تیز مت ہونا
کندھی رہنا
ماکہ میرے محبوب کے ہاتھ
تیرے قبضے پر اور زیادہ دیر تک رہیں۔

عشق کے راز کو عوام میں افشا نہ کرو
سینے میں یہ درد
خوش ہو کر پوشیدہ رکھو۔

جو پلے گئے وہ مقتل کے پاس کھڑے ہیں
باقی سرکنانے کے لئے تیار ہیں۔
سرکاث کر کھنے سے کم شاید قبول ہی نہ ہو
ویکھتے نہیں چاروں طرف عشاں کے سر
زمیں پر بکھرے پڑے ہیں؟
اس مے خانے میں قتل عام جاری ہے۔

اگر تجھے جرuds مے کی آرزو ہے
تو پیر مغاں کے خم خانے میں جا
لطیف کے خم مے کے پاس جا کر
کاسہ سر کو جھکا۔
یہ نشہ سر کی قیمت میں بھی ستا ہے۔
ہر شاری، محبت سے سروے کر مے دل لے

اس مے کی قیمت سر ہے دولت نہیں۔
اگر تجھے مے کی خواہش ہے تو سرکنانے کے لئے تیار ہو جا۔
یہ وہ مقام ہے جہاں مے خوار
خم مے کے پاس کاسہ سردیتے ہیں۔

جن کا سر، دھڑ، جسم، دیگ میں پک رہے ہیں،
ایسے ہی لوگ مے کی تمنا کرنے کے مسخن ہیں
جہاں دیگوں میں جسم
پک رہے ہیں
اور جہاں کڑھائیاں گرم ہیں۔
وہاں طبیبوں نے زخم ہرے ہی رہنے دیے ہیں۔

میرے من میں عشق کی آگ لگا کر چلا گیا
مجھے یہ دکھ محبوب ہی نے دیا۔
طبیبوں کا مشورہ مجھے گراں گزرتا ہے۔

وہ پیار سے پوچھتے ہیں
کہ محبوب کا قرب کس طرح حاصل ہوتا ہے؟
عاشق اجل کے سامنے سراو نچا کر کے آتے ہیں۔
اپنی جان عشق کے نیزوں کے نیچے دے دیتے ہیں۔
ان کو سرکشانے سے قرب اور مرنے سے مشاہدہ ہوتا ہے

اے طبیب! مجھے دو انہ دے۔ خدا کرے میں تند رست نہ ہوں۔
شاید وہ میری عیادت کو آئے۔

مجھے شفادینے والے طبیب نہیں ملے
نادان چارہ سازوں نے مجھے مار دیا۔
ان نادانوں نے میرے جسم کو داغ داغ کر دیا۔

عاشق زہر پینے والے ہیں
زہر دیکھ کر سید مسرور ہوتے ہیں۔
وہ تلخ اور سم قاتل کے عادی ہیں۔
ان کو عشق ہو گیا ہے اور فراق نے ان کو فنا کر دیا ہے
پھر بھی وہ عشق کے راز کو
عام لوگوں میں افشاء نہیں کرتے۔

اگر تو تلخ (خطل) سے احتراز کرتا ہے
تو مے کی آرزو نہ کر۔
جس کے پینے سے آدمی مر جاتا ہے
اگر یہ سے پینا ہے تو سر کی فکر نہ کر۔

سریمن کلیان

میں انگاروں پر سوتھہ ہوتا رہوں۔
 میرے قلب و جگہ سخوں میں آویزاں رہیں۔
 جس کو چارہ گرلا علاج تصور کرتے ہیں
 اس کا علاج محبوب ہی کے پاس ہے۔

ان پروانوں سے جلنے کا حال پوچھو۔
 جن کو عشق کے نیزے لگے ہیں۔
 اور جو اپنی جان
 آگ میں جھونک دیتے ہیں

خود کو پروا نے کھلواتے ہو
 تو الاؤ کو دیکھ کر پیچھے مت ہٹو۔
 محبوب کے حسن کے جلوے میں
 جذب ہو جاؤ تو سرفراز ہو گے
 ابھی تو تم خام ہو کہ بھٹے کی آگ سے بے خبر ہو۔

پروانوں نے تھیہ کر لیا
 اور آکے الاؤ میں کو دپڑے۔
 وہ تابش آگ سے لرزائ نہیں ہوئے
 چ کی آگ میں جل گئے۔
 ان بے چاروں نے اپنی جان قربان کر دی۔

جو عشق یادِ اللہ سے کبھی غافل نہیں ہوتے
ان کی روح ایک آہ کے ساتھ
نفسِ عصری سے پرواز کرتی ہے۔

عشق کبھی آرام سے نہیں بیٹھتے۔
محبوب کے ایک طعنے سے
سم جاتے ہیں۔

عشق ایسے تو نہیں ہوتے
جس طرح تم تو مند ہو۔
وہ آستانہ محبوب پر جا کر
دن رات گریہ و زاری کرتے ہیں۔
دو سرائکوئی اور ایسا طریقہ نہیں جس سے وہ
محبوب کی جانب میں مقبول ہو سکیں۔

تمہارا حال تو یہ ہے کہ
ذرا سی چوٹ لگنے سے خون بینے لگتا ہے۔
تو پھر چہرے پر محبوب کے وار کیسے برداشت کرو گے؟
پھر تم عشق کی ہوس کیوں کرتے ہو؟

جھانکنا مانکنا عشق کا شیوہ نہیں۔
محبوب کے آستانے پر دلخت کیوں نہیں ہو جاتے؟
ہنستے، کھاتے سوتے ہو
یہ عشق کا دستور نہیں۔

اے عاشق! آستانہ محبوب سے وابستہ ہو جا
کبھی بد دل ہو کر آستانے سے الگ نہ ہو۔

جب محبوب تجھ پر نظر عنایت کرے گا
تو تیر ادل باغ باغ ہو جائے گا۔
اے محبوب! ہم تو تمہارے بغیر نہیں رہ سکتے
تم کیسے رہتے ہو؟

اے عاشق! گزر گارہ محبوب پر بیٹھ جا۔
وہ خود تجھے سے خانہ کی شراب پلائے گا۔
قربت محبوب حاصل کر کے اس سے منہ نہ موڑنا

وہی آواز ہے، وہی گونج ہے
اگر تم یہ راز سمجھو۔
سخنے میں دو (چیزیں) ہیں
مگر حقیقت میں ایک ہے۔

سر کھمبات

چاندنی رات، ہمارے زمین، میدانوں کے فاصلے،
اے ناقہ! محبوب کی طرف گامزن ہو کر چھپنے نہ مڑ۔
ایسا عزم کر جو محبوب تک پہنچا دے

اے ناقہ! تسلیل چھوڑ، تیز قدم اٹھا
مجھے وہاں جانا ہے جہاں میرا محبوب ہے
دوسرے اونٹ تو لانا کھاتے ہیں
میں کچھے چندن کھلاؤں گا
اس طرح چل کہ آج ہی رات میں محبوب سے جاملوں

اے ناقہ! تسلیل چھوڑ، تیز قدم اٹھا
محبوب کی طرف جانے والی
سیدھی راہ کو ٹیڑھامت سمجھ
پریشان ہونا چھوڑ
چلتے چل کہ آج ہی رات محبوب سے جاملوں۔

ناقہ نہ گلے کے ساتھ جاتا ہے اور نہ "لانا" کھاتا ہے۔
اس کو عشق کا چسکا لگ گیا ہے
جس نے اس کو فنا کر دیا ہے۔
اب وہ سر کی پرواہ کیتے بغیر
راہرو جادہ محبوب ہے۔

میں نے ناقہ کو روکنے کے لئے کئی زنجیریں ڈالیں۔
مگر وہ پھر بھی سب بند ہنوں کے ساتھ
”لانا“ کھانے کے لئے چلتا گیا۔

اے خدا تو اس کے دل میں پر ہیز گاری کا خیال ڈال دے
”لطیف“ کے یارب! تو اپنے لطف سے
اس کو ہدایت کی توفیق دے۔

سرسری راگ

جھوٹ کمیا، خدا سے کیے ہوئے عمد توڑے
میں سرتاپا گناہوں میں
ڈوبا، ہوا ہوں
اے اللہ!
تھے میرا سب حال معلوم ہے۔

جھوٹ مت کماو
گناہوں سے دور رہو
اللہ کو یاد کرتے رہو
دل سیغض نکالو
خدا کوچ پسند ہے
دل میں محبت کی شمع روشن کرو
ان باتوں پر عمل کرنے سے
تیرا سودا پتھل ہو گا۔

سامان وہ خرید و جو رکھنے سے پرانا نہ ہو۔
دوسرے ملکوں میں فروخت کرنے سے نقصان نہ ہو
یہاں وہی کچھ خریدو
جس سے وہاں منافع ہو۔

کشتی پرانی ہے
اس میں زیادہ سامان مست لادو۔
اس کی تھہ میں سوراخ ہو گئے ہیں
اطراف سے پانی آ رہا ہے۔
اے کاہل! کل کی فکر کر۔

جس کنارے کے بارے میں تم سنتے تھے
وہ آکے تم نے خود سے دیکھا۔
”لطیف“ کے جب لوگ سوتے تھے
اس وقت تم نے اس کو یاد نہیں کیا،
غافل ہو کر ”غوراپ“
(۱) کو تم گھرے سمندر پر لے آئے۔
اس شکستہ (کشتی) کو طوفان سے محفوظ رکھنا ہے
جو رکھے رکھے پرانی ہو جاتی ہے۔

ناٹوانوں کی کشتی
سمندر میں تیرے حوالے
اس کو اپنی نگہبانی میں
پوربندر
(۲) پہنچا دے۔

کشتی میں تھوڑا بہت سامان رکھ لو

اے غافل! غفلت میں مت رہ
نہ جانے کس وقت موجیں تجھ پر حملہ کریں۔
نیند تجھے کسی وقت بھی منجد ہماریں ڈبو دے گی۔

اے ملاج! دو باتیں ایک ساتھ نہیں چل سکتیں۔
تورات بھر مستول کے پاس سوتا رہا
صحیح اس پار تجھ سے سب کچھ پوچھا جائے گا۔

(۱) کشتی (۲) بندر گاہ کا نام ہے

بندر گاہ کا نام

سب کام اللہ کے سپرد کردو۔
شگ و شبہ دور کر کے
وجود باری کو دل سے تسلیم کرو۔
وہ قادر اپنے فضل سے
تمہاری ہر مراد پوری کرے گا۔

نیک آدمی کے ساتھ
نیکی تو سب کرتے ہیں۔
مگر تو ایسا ہے
جو بد کے ساتھ بھی نیکی کرتا ہے۔

یہ پیش بہا موتی انہیں پیش نہ کرو
جو ان کی قدر نہیں جانتے۔
یہ موتی جو ہری کو دکھاؤ جہاں بھی ملے۔
صرف جو سونے کی حقیقت جانتا ہے
وہ کھوٹ کو رد کر دیتا ہے۔

کانچ کی قدر ہے
موتی کی ناندری۔
میری جھوٹی میں چج ہے
مگر، پیش کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔

سرسوہنی

عقلمند آدمی ڈوبتے وقت جھاڑیوں کو پکڑتے ہیں۔
”لطیف“ کے جھاڑیوں میں کتنی شرم و حیا ہے۔

یا ساحل پر پنچاٹی ہیں
یا ان کے ساتھ خود بھی ڈوب جاتی ہیں۔

جھوٹ کمایا

خدا سے کیے ہوئے عمد توڑے
میں سرتاپا گناہوں میں ڈوبا ہوا ہوں
اے اللہ! تجھے میرا سب حال معلوم ہے۔

جہنوں نے خدا کی عبادت کی
موجیں ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔
توبہ کے سارے وہ طوفانوں سے گزر گئے۔
توکل کے ذریعہ آسانی سے سند رپار کر گئے۔
منجد ہماریں کامل کشتی بان ان کا مدد گار ہوا۔

اے سوہنی! شریعت کا سبق اچھی طرح سیکھ۔
طریقت سے حقیقت کی منزل آتی ہے۔
معرفت یعی عاشقوں کا مقام ہے۔

سرسی آبری

میں ونگار سے واقف نہیں
راہ میں مشکل دشت و صحراء ہیں۔
اے میرے سارے! میرے محبوب!
میں منزلین کرتے کرتے تھک گئی ہوں۔
لعل "لطیف" کے اے میرے سرماج!
اس عاجز کی نگہداشت کر۔
یہ ناتواں بھٹک رہی ہے
اس کو راہ میں تہانہ چھوڑنا۔

میں ونگار سے واقف نہیں
اور میں نے اپنے ساتھ ذرا ساپانی بھی نہیں لیا۔
پھاڑت پ کر مجھے تکلیف پہنچا رہا ہے۔
"لطیف" کے کمزور و ناتواں کو باد سوم جھلسا رہی ہے۔
اے ہوت! وہاں مدد کو پہنچ جہاں میں تھا ہوں۔

ونگار میں گھنے درخت ہیں
جہاں زہر میلے افعی رہتے ہیں۔
"عبداللطیف" کے وہاں وہ سرگرد اور پریشان ہے۔
جہاں نہ عزیز و اقارب اور نہ قبیلے والے
وہاں اے رہبر! میری مدد کو آ۔

بے چاری نے پہلے ونکار دیکھا نہیں تھا۔
آدمیوں میں رحم و کرم نہیں تھا
ہر طرف کفر ہی کفر تھا۔
وہاں اس نے درد و غم کی خاطر
پنهوں سے دوستی کی۔

جو ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہیں
ان سے پہنچوں کے اوصاف معلوم کر۔
ساری زندگی محبوب کو اپنے میں ہی تلاش کرتی رہنا۔

اے نادان! جہاں تو سمجھتی ہے
وہاں پہنچوں نہیں ہے۔
پہاڑ کی طرف مت جا
تیرا وجود ہی و نکار ہے۔
وہ کوہ و صحراء میں نہیں
اس کا پتہ خود سے معلوم کر۔

اے سئی! تو اپنے گھر کے کونے کونے میں تلاش کر۔
دور جا کے نہ بھٹک
تیرا دوست تو تیرے گھر میں موجود ہے۔

تیرا دوست تیرے گھر میں
واپس آکے تلاش کر۔
عبد منزلیں کر کے خاوند کے لئے
آہ و بکا کر رہی ہے۔

ونگار کیوں جاتی ہو؟
ہوت کو یہاں کیوں نہیں تلاش کرتی؟
”لطیف“ کے وہ بلوچ کسی دوسری جگہ چھپا ہوا نہیں ہے۔
پہنچوں سے پار بناہ
اس کو حاصل کرنے کے لئے سعی و جمد کر۔
جہانگ کے دیکھ تجھ میں ہی منزل حبیب ہے۔

جوہی محبت والیاں، یہاں ہوت کو تلاش نہیں کرتیں
تیج کا پتہ پوچھتی ہیں۔
جن کا پہنچوں سے عشق ہے
انہوں نے پیدل چلنا چھوڑ دیا۔

دل سے ہوت کی طرف چل
پاؤں سے چلنا بھول جا۔
قادروں والے طریقہ سے
تو تیج نہیں پہنچ سکتی۔

دل سے ہوت کی طرف چل
پاؤں سے چلنا چھوڑ دے۔
ریگستان کا راستہ مت پوچھ
اے سئی! روحانیت سے آگے بڑھ۔

دل سے ہوت کی طرف چل
پہاڑوں میں پریشان مت پھر۔
میں نے پہاڑی تیج دھنی کو
اپنے وجود میں پایا ہے۔

دل سے ہوت کی طرف چل
اپنے وجود کو ساتھ لے کے مت چل
جن میں انانیت آگئی
وہ آریائی (ا) تک نہیں پہنچیں۔

آریائی: ہنہوں کا قبیلہ مراد ہنہوں

جووندر جائیں گے
وہ تیاری کریں۔
جن کو جانا ہی نہیں ہے
ان کی تیاری کیسی؟

بے سارا، بے یار و مددگار
ماندہ، ناواقف ہوں۔
”لطیف“ کے خاوند کے لئے
خون کے آنسو بماری ہوں۔
حب میں بہ فرط اشتیاق ہو
توں کے لئے گریہ کنائیں ہوں۔
میں پنهوں کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتی ہوں۔
اگر وہ مجھے اپنے ساتھ لے چلے
تو میں داسی بن گر رہوں گی۔

جب عزرا یل نے سوئی ہوئی سئی کو جگایا
تو وہ یہ سمجھی
کہ کوئی پنهوں کا قاصد آیا ہے

جب منکروں کیسی کو سئی نے دیکھا۔
تو ان سے پنهوں کا پوچھا۔
بھائیو! کیا یہاں سے میرے پیارے کا کارواں گزرائے؟

ورنہ عشق والیاں کب سوتی ہیں۔

میں برباد ہو گئی، مہار کورو کو
میں مر گئی، ناقہ کورو کو۔

اے میرے حبیب! اس مسکین کی کشایاں تشریف فرما ہو۔
اے ساجن! تیرے بغیر مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔

تو نے جب دن کو اپنے آنکن میں
اجنبی شتروں کو دیکھا تھا۔

تجھے چاہئے تھا کہ سانجھ ہوتے ہی ان کی راہ پر جائیٹھتی۔
اپنی چوٹی سے سلاسل کی طرح ان کو کس کے باندھ دیتی
تو وہ پنهوں کو اپنے ساتھ نہ لے جاتے۔

تو نے جب دن کو اپنے آنکن میں
اجنبی شتروں کو دیکھا تھا۔

تب اپنے بالوں سے
ان کی نائنیں کیوں نہ جکڑ دیں۔

شتر ویسے تو بللاتے رہتے ہیں
مگر میرے وقت پر خاموش رہے۔
جاتے وقت انہوں نے کوئی آواز نہیں نکالی۔
ان کی آپس میں ایسی سازباز تھی
کہ شتر اور شتر بان خاموش رہے۔

انتظار کرتے کرتے جب سونے لگی
تو انتظار سے نیند نہیں آرہی تھی۔
جائگتے جائگتے جن کے لئے سوگنی
وہ آئے تو بیدار نہ ہو سکی۔
بہنو! خطا ہوئی

اے غافل! تو سانجھ ہوتے ہی سو گئی۔

”لطیف“ کے تیرے کانوں نے

شتروں کے کوچ کرنے کی آواز نہ سنی۔

ان کو محبوب کا وصل کیسے حاصل ہو سکتا ہے

جو سانجھ سوریے ہی سو جاتے ہیں۔

جو مسروں پر پاؤں پھیلا کر سوئے۔

ان کو ہم نہیں سوتا، ہی چھوڑ گئے۔

بڑی غلطی کی جو پاؤں پھیلا کر سو گئی۔

اگر دوست کے دروازے پر بیدار رہتی

تو ان کے جانے کی آواز سنی۔

تو آری جام کی نہ عزیز تھی نہ رشتہ دار۔

اے تیرہ بخت! پنهوں سے رشتہ جوڑ کر بھی

خواب غفلت میں پڑ گئی۔

سوریے ہی مددوں کی طرح منہ لپیٹ کر سو گئی۔

تو نے اپنی آنکھوں کو بیدار کیوں نہیں رکھا

قصور تیرا ہے

الزام کیچھوں کو دیتی ہے!

اے پہاڑ! تو نے جوازیتیں پہنچائی ہیں
جاناں سے کھوں گی۔

جب رات بھیگتی ہے تو تو خوفناک ہو جاتا ہے
تیری را ہیں پر خم ہیں۔
اچھانہ کیا کہ نقش پائے محبوب کو گم کر دیا۔

اے پہاڑ! مجھے دکھ مت دے
میں پہلے ہی دکھی ہوں۔
یاد نہیں کہ بھی مجھے
سکھ ملا ہو۔ رنج و غم بہت ملے۔

اے پہاڑ! جود کھی ہیں
ان کو تسلی دینا چاہئے۔
ان سے ہمدردی ظاہر کرنا چاہئے
جس کا محبوب چلا گیا ہو۔
اے پھر وہ! تم کیوں اس کے پاؤں کو مجبوح کرتے ہو؟

اے پہاڑ! دکھ کی وجہ سے
تیرے سامنے داستان غم بیان کی۔
حال زار ناکر
میرا غم اور فروں تر ہو گیا۔

دکھی اور پہاڑ
آپس میں مل کے آہ و فغاں کرتے ہیں۔
اپنا غم نہیں کسی کو کیوں کرتا ہیں؟

جیسی بھی ہوں، بلوچوں کی کنیز ہوں۔

اس اونی کی پنهوں سے ہمسری کیسی؟
ازل سے میری نسبت آری جام سے ہی۔
میں اس کی پاپوش کے برابر بھی نہیں ہوں۔
کچوں کو کیسے فراموش کروں۔

ہر حال میں بلوچوں کی کنیز ہوں
اسی نسبت سے سئی کی شرت ہے۔
وہ تو یوی کو چھوڑ کر چلا گیا
پھر بھی یہ ہوت کی طرف جا رہی ہے۔

سر لیلا چنیسر

اے لیلا! تو چنیسر جام سے گھمنڈی ہو گئی۔
 اس کو اپنا سمجھ کے لا پرواہ ہو گئی۔
 کو زو نے تیرے خاوند
 دامڑے کو اپنا لیا۔

اے لیلا! چنیسر سے نخوت نہ کر۔
 اے نادان! خاوند سے کشیدہ رہ کر
 تو نے زیاں کا سودا اکر لیا۔
 اے کم عقل! تو مغالطے میں پڑ گئی
 اس لئے تجھے دوری حاصل ہوئی۔

چنیسر سے برتری کر کے
 اے لیلا! خوش فہمی میں بتلانہ ہو جانا۔
 یہ خاوند وہ ہے جہاں من و تو کا امتیاز نہیں چلتا۔
 میں نے اس کے دروازے پر
 بہت سی چھیتیوں کو روٹے ہوئے دیکھا ہے۔

سر عمر ماروی

جس دم میرے کانوں میں "الست برب" کم کی آواز پڑی
میں نے صدق دل سے "قالوا بی" کہا۔
اور یار ان وطن سے عمد و پیان محبت کیا۔

کاخ اسیری میرا نصیب تھا
ورنہ اس قلعہ کی چار دیواری میں کیوں آتی؟
لوح محفوظ کا لکھا تھا جو پورا ہوا۔
مارو کے بغیر میرا جی یہاں نہیں لگتا۔
اے مالک! کنج قفس سے رہا کر دے
تاکہ ماروی اپنے مارو سے جا ملے۔

اے خدا ایسا نہ ہو کہ میں قید و بند میں مر جاؤں۔
میرا جسم رات دن زنجیروں میں مضطرب ہے۔
پہلے وطن جاؤں، پھر مر جاؤں۔

فی الحقيقة وہاں سے شتر سوار قاصد آیا ہے۔
اور کہتا ہے کہ اپنے خاؤند کو مت بھلانا اور مرنے جانا۔
تو وہاں لوٹ کے جائے گی
تھوڑے دن اور قلعہ میں اسیر ہے۔

وہی دن اپنے تھے جو میں نے قید و بند میں گزارے۔
قصر ایوان میں آنسوؤں کی جھڑیاں بندھ گئیں۔
وصل کی آرزو میں خستہ حال ہو گئی۔
میری محبت نے زندگی کو درختاں کر دیا۔

سر سورٹھ

وائی

راجہ رائے ڈیا ج نے خدا کے نام پر سردے دیا۔
اپنی رانیاں اور راج چھوڑ کر چلا گیا۔
خدا کے نام پر سردے دیا۔

وہ بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوا،
اس کے من کی لاکھوں مرادیں پوری ہوئیں۔
خدا کے نام پر سردے دیا۔

ساز بجا کر مغنی نے بھیک میں سر لے لیا۔
خدا کے نام پر سردے دیا۔

ہنوا! عبد اللطیف کے وہی بامداد ہوا۔
خدا کے نام پر سردے دیا۔

”ایک جہاں چھاں مارا
کوئی سخن نہ ملا۔
سردینے کا وعدہ تیرے سو اکسی نے نہیں کیا۔“

”سو سرکھ کے (ساز کے) تاروں کے برابر تلوں۔
تو وہی پڑا بھاری ہو گا
جس طرف میکل نغمہ زن ہے۔
یہ تو صرف استخوان ہے
سر کاند زانہ حقیر ہے۔“

نغمہ ہائے ساز پر سردے دے
واپس نہ لوٹا۔
مجھے آئے ہوئے کافی دیر ہو گئی ہے۔

مر جا اے سائل! تیری آمد کارا زمیں سمجھ گیا۔
تو جو پیلیاں بوجھ رہا ہے
مجھے اس کا اور اک ہے۔
جو میں تیرے کشکول میں ڈالوں گا
اسے قبول کر۔

تینوں مل کر ایک ہوئے
سر، چھری تارہائے ساز۔
تو جو چل کے آیا ہے
سر دینا اس کی قیمت نہیں۔
غیمت الحمد للہ کہ سائل تو نے صرف سرہی مانگا۔

وہ قیمتی ساز زور و شور سے بچنے لگا۔

راز سرپستہ کرنے کے لئے
رائے ذیان کے حضور ساز کو چھیڑا۔
ذیان کا جو ہر زادی آشکار ہوا
چھری نکالی اور کاس سر میں گمراہا تار دیا۔

گرنا کا پھول نوٹ گیا
شہر میں نوہ و ماتم بپا ہو گیا۔
سورنگھ جیسی سیکڑوں عورتیں
گریے وزاری کرنے لگیں۔

سرکیدارو

محرم کا چاند نظر آیا
شہزادوں کو فکر ہوتی۔
اللہ علیم ہے جو چاہے وہ کرتا ہے۔

محرم لوٹ کے آیا
امام واپس نہیں آئے۔
اے خدا! مجھے ان مدینے کے شہزادوں سے ملا دے۔

امام مدینے سے گئے واپس نہیں آئے۔
اے رنگ ریز! میرے کپڑے کالے رنگ دے۔
میں ان کا ماتم دار ہوں جو مسافر شہید ہوئے۔

یزید کو ذرہ برابر عشق سے آگاہی نہ تھی۔
امام نے ازل سے شہید ہونے کا پیان کیا۔

دوستوں کو قتل کرواتا اپنے پیاروں کو مرواتا ہے۔
اپنے خاص دوستوں کو مصائب میں بٹلا کرتا ہے۔
اللہ بے نیاز ہے، جو چاہے کرتا ہے۔
اس میں کوئی راز مکتومن ہے۔

گھوڑوں اور بہادروں کی زندگی قلیل ہوتی ہے۔
کبھی محلوں میں مقیم
کبھی میدان جنگ میں سر بکفت۔

اے یزید! آل علی سے جنگ نہ کر۔

جو عزت تھے حسین کی معیت میں حاصل ہوئی
وہ اور کسی طریقہ سے نہیں مل سکتی۔

وائے برحال رفقائے یزید،
جنوں نے کل آل علی سے جنگ کی۔

کوفیوں نے اللہ کا واسطہ دے کے خط لکھنے۔
”آپ ہمارے حاکم ہیں اور ہم آپ کے تابع
آپ کوفہ آئیے ہم آپ کو امیر بنا میں۔“

کوفی پانی کو ترسار ہے تھے۔
شزادے، علی کو پکار رہے تھے۔
خیموں سے نکل کر کہہ رہے تھے
اے محمد علی! مددے۔

صحیح دم میدان کریلا سے کبوتر آیا،
روضہ مصطفیٰ پر فریاد کناں ہوا
تلواروں کو منڈلاتے ہوئے دیکھا ہے۔
اے محمد علی! مددے۔

اگر بوقت جنگ حسن ہوتے۔
تو وہ اپنے بھائی کے اوپر پروانہ وار فدا ہو جاتے۔
اور کون ہے جو حسین پر قربان ہو؟

ولی بہادر حر لپک کر آئے اور کہنے لگے
حق کا پروانہ ہوں شوق سرفوشی لے کے آیا ہوں۔
تاکہ آپ کے نامانبی اور اللہ کے رسول مجھ سے خوش ہوں۔
میرا سب کچھ آپ پر قربان ہو۔

حر کوازل سے ہی ہدایت تھی۔
کہ اس طرف سے امام کی طرف آئے۔
آتے ہی کہا ”مولی! جان ثاری کی تمنا ہے۔
لَا يَكْلُفَ اللَّهُ نَفْسًا لَا وَسْعَهَا۔
حتى المقدور ساتھ دوں گا۔“
حسین کو بھی زخم لگے یہ شیر بھی شہید ہو گیا۔

ریش مبارک، خون سے گلگوں تھی
اند ان، گلزار کی صورت سرخ تھے۔
میدان جنگ میں دستار، بدر کامل کی طرح پڑی تھی۔
محمد مصطفیٰ کے دربار میں وہ ماں کیوں نہ تخریونا ز سے مسکرائے۔
جس کا بہادر سپوت میدان جنگ میں لخت لخت ہو گیا۔
میدان جنگ کے سورا جماد سے پچھے نہیں ہٹیں گے۔
بہادروں نے امام کے لئے اپنے سرفدا کیے۔
”یجاحدون فی سبیل اللہ“ کے مفہوم کو پورا کر دیا۔
ان شہیدوں کے سروں پر حوریں سرے باندھ رہی ہیں۔

حسن اور حسین کی جنگ کی خبر اکناف عالم میں پھیل گئی

چاروں طرف سے امام پر تیر برس رہے تھے
سید نے اپنے باپ دادا اور خود کو سر خرو کیا

شیر پر تین طبقوں نے ماتم کیا۔
گھروں میں آدمی، دشت و جبل میں جانور
اور فلک پر ملائی کم۔

طیور نے آہ و فغان کی کہ حسین "جاری ہے ہیں۔
یا رب العالمین! تو شزادوں کو سر خرو کر۔

جس کے سینے میں غم حسین نہیں۔
خالق رب جبار اس کی بخشش نہیں کرے گا۔

کریلا میں کامل سید، بہادر شیر آئے
سیوف مصری سے لاشوں کے انبار لگائیے۔
امام حسین کا حملہ دیکھ کر
فلروں کے دل لرزہ براندام ہوئے۔

حسین کی مدد کو حسن نہیں (ہیں)
اور نہ انصار و اعزاء ہیں۔
شزادوں کا وطن دور ہے۔
اے یزید! اس لئے تو ان پر شدید حملے کر رہا ہے۔

سر سارنگ

بادل، گھر گھر کے آر ہے ہیں۔
 ”لطیف“ کے وہ دیکھو کالی بد لیاں
 موٹی موٹی بوندیں پڑ چکی ہیں۔
 چرو اہو! مویشیوں کو باہر ہاٹکو!
 ساز و سامان لے کر، جھونپڑیاں چھوڑ کر
 میدانوں میں پھیل جاؤ۔
 اللہ کی رحمت سے ما یوس نہ ہو۔

اللہ کی رحمت سے بادل چھا گئے ہیں۔
 ”لطیف“ کے وہ دیکھو کالی بد لیاں۔
 بارش کے پانی کی کثرت سے میدان سر بزہ ہو گئے ہیں
 اللہ نے راہوں میں گھاس اگادی ہے۔
 اب کے جو مسرت بخش برسات ہوئی ہے
 غریب آدمیوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی ہے۔

آج بھی شمال کی طرف تازے کی آواز آرہی ہے۔
 دہقانوں نے بیل تیار کرنے ہیں۔
 چرو اہوں پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے ہیں۔
 میرے یار (بادل) نے لباس باراں زیب تن کیا ہے۔

آج بھی شمال کی طرف بادلوں کے گرجنے کی آوازیں ہیں۔
 موسمی بارش میں بھلی بست چمک رہی ہے۔
 اے میرے دوست! روٹھنا چھوڑ لوث آ۔

آج بھی شمال کی طرف خضاب کی طرح کالے بادل منڈلار ہے ہیں۔

بھلی، سرخ لباس اوڑھ کے کونڈ نے لگی ہے۔

میرا پیار جو پر دلیں میں تھا
برسات نے اس کو مجھ سے ملایا۔

اے بادل! خدا کے واسطے پیاسوں کو یاد رکھ۔

بیانوں میں پانی کی بہتات اور انماج ارزائ کر۔

وطن کو سر بزرو شاداب بنائ کے مویشی پالنے والوں کو سکھ ملے۔

وہ عورتیں جن کے شوہر پر دلیں گئے ہوئے ہیں۔

بادلوں کو امنڈتا اور گھٹانوپ اندھیروں کو چھایا دیکھ کر سم جاتی ہیں۔

کہ کیسیں شمال کی ہوان کی جھونپڑیوں کو تاراج نہ کر دے
کیونکہ اگر وہ گر جائیں تو وہ کس کو پکاریں گی۔

خدا کرے ان کے وارث (خاوند) واپس آکے ان کی نگرانی کریں۔

اپنے شوہروں سے دور تناخواتین

بادلوں کو دیکھ کر اپنے شوہروں کو یاد کرتی ہیں۔

رعد کی آواز سن کے ان کے دل دہل جاتے ہیں۔

وہ بے چارپاں اپنے شوہروں کے بغیر سی سی بی رہتی ہیں۔

بُرکھارت آئی، بادل چھائے
بدلیاں روائی دواں آئیں۔

انماں ارزائی ہوا
چائیاں مکھن سے بھر گئیں۔
کلمہ لا الہ نے دل کے زنگ کو دور کیا۔

اے میرے محبوب! اے میرے پیارے!
تجھے اللہ لائے گا۔
میرا دل مفطر تیری یاد میں
آہ وزاری کر رہا ہے۔

میرا محبوب ساون کی برسات کی طرح آیا۔
ان پر بارش ہوئی جو ساری زندگی یادیاں کرتے رہے۔

گھٹا گھنکوں رچھائی پھر بادل برے۔
بجلیاں چاروں اور کونڈ رہی ہیں۔
کچھ بادل استنبول کی طرف، اُسی کا رخ مغرب کی طرف ہے۔
کچھ چین پر لمرا رہے ہیں۔ کوئی سرقد کی طرف روائی دواں رہے۔
کچھ روم پر رقصان ہیں۔ کوئی کابل و قند بار کی طرف۔
کچھ دلی و دکن کی جانب اور کچھ گرناہ کی طرف چھار رہے ہیں۔
کچھ جیسا میر پر برس کر، بیکانیر پر یلغار کر رہے ہیں۔
کچھ بھجھ رہے ہیں، کوئی ڈھٹ پر پھیل گئے۔
کچھ نے عمر گوٹ سے ہوتے ہوئے دلھار پر موسلا دھار بارش کی۔
اے میرے رب! سندھ کو سدا اشاداب رکھ۔
اے دوست! اے عزیز دلدار! سارے عالم کو آباد کر۔

من میں بھی غم و اندوہ کے بادل

اور باہر بھی کالے بادل چھائے ہوئے ہیں۔

جن کے پاس محبوب ہوتا ہے

ان کی آنکھیں مشاہدے سے سیراب نہیں ہوتیں۔

شمال کی جانب سے اڑتے ہوئے بادل آئے اور چھا گئے۔
محبوب جو دور تھا برسات نے مجھے ملا دیا۔

آج بھی شمال کی طرف
خضاب کی طرح کالے بادل منڈلار ہے ہیں۔
بجلی، سرخ لباس اور ٹھہ کے کونڈنے لگی ہے۔
میرا پیار جو پر دلیں میں تھا
برسات نے اس کو مجھ سے ملا دیا۔

بادلوں میں برجوں کی طرح چویوں کا دلفریب منظر ہے۔
بادلوں نے سارنگی، سرندے اور چنگ و رباب کے ساز چھیڑے۔
گزشتہ شب "پدام" کے اوپر ابر باراں کی صراحیاں انڈلی ہیں۔

بھیاں کوندی آئیں۔ برکھا کی رم جھم ہونے لگی۔
جنہوں نے گراں فروشی کے لئے ذخیرہ اندوزی کی تھی
وہ اب کف افسوس ملتے ہیں۔

سوج رہے تھے پانچ سے پندرہ ہو جائیں گے۔

اے خدا!! ان موزی گراں فروشوں کو موت دے دے۔

پھر چرواہے آپس میں بیٹھ کر کثرت باراں کی باتیں کر رہے ہیں۔

"سید" کے سب کو تیر اسہارا ہے۔

من میں بھی غم و اندوہ کے بادل
اور باہر بھی کالے بادل چھائے ہوئے ہیں۔

جن کے پاس محبوب ہے ان کی آنکھیں
مشابدے سے سیراب نہیں ہوتیں۔

سر آسا

لا انتہا میں جستجو کرتا ہوں
 ہادی مجھے انتہا نہ ملے۔
 حسن محبوب بیکرال ہے
 ماورائے حدود اور اک ہے۔
 عشق لا محدود ہے
 محبوب بے نیاز ہے۔

ان سے حق اور حقیقت کی منزل کو نہیں پایا جا سکتا۔
 ان اللہ و تر ”وَيَحْبُّ الْوَتْرَ“ اس لئے شرک کو ہگ لگادو۔
 اے طالب! وحدانیت کے حضور
 آنسوؤں سے اپنی خود پسندی دھو لے۔

نابودی نے عبد کو بلند مرتبہ کیا۔
 اس (عبد) نے ظاہر اور باطن میں
 اپنے آپ کو مخفی رکھا۔
 کیونکہ اس منزل پر سر جیب عیاں نہیں کیا جا سکتا۔

مجھ پر آنکھوں کے بڑے احسان ہیں۔
رقیبوں کی طرف دیکھتا ہوں تو بھی جلوہ یار نظر آتا ہے۔

آنکھیں محبوب کے بغیر اگر کسی اور کو دیکھیں
تو آنکھیں طمعہ زاغ و زغم کر دوں۔

ان نینوں نے صبح کا ناشتہ کیا
جنہوں نے صبح سویرے دیدار محبوب کیا۔
ان کے دل اور جسم و جان کو ج آکر حاصل ہوا۔

ہر روز مشاہدہ کرتی ہیں
پھر بھی مشاہدے کو ترسی رہتی ہیں۔
مشاہدہ محبوب سے ان کو دولت یقین حاصل ہوئی۔

آنکھیں ایک دوسرے کا گلہ شکوہ کرتی ہیں۔
جب سے عشق ہوا ہے
تب سے ایک دوسرے سے الجھ رہی ہیں۔

آنکھوں کی عجیب سی عادتیں ہیں۔
بزم محبوب سے میرے لئے دکھ درد لاتی ہیں۔
ان سے عشق کرتی ہیں
جن کو قتل کرنے کے لئے تنگ و سنان کی ضرورت نہیں۔

آسان راہ کی رہبری ہر ایک کر سکتا ہے
میری راہ مشکل ہے۔
میرے قدم طلب و جستجو سے آگے ہیں۔
میں نے وہاں دل لگایا ہے
جمال ہست و نیست نہیں۔

بے عقل جاہل حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔
وہ خرافات بکتے ہیں۔

جن کی آنکھیں غبار آلوہ ہیں
وہ محبوب کو کس طرح دیکھ سکتی ہیں۔

جن کا تن تسبیح، من دانہ تسبیح، اور دل یکتارا۔
جن کے انفاس نغمہ سرائے وحدت ہیں
وحدہ لا شریک لہ جن کی رگوں کا راگ ہے۔
وہ خفتہ رہ کر بھی جائے گتے ہیں
ان کی نیند بھی عبادت ہے۔

سردھر

آج اس امید پر اپنے سخن کو صاف کر رہی ہوں۔
کہ کوہ جبل میں کافی دن لگ گئے ہیں
شاید وہ واپس آجائیں۔

جتنا عظیم تیرا نام ہے
اتنا ہی بڑا مجھے آسرا ہے۔
اے خدا! تیرا فضل و کرم بے حد و حساب ہے۔
اے رب! تیرا نام میری روح میں سما یا ہوا ہے۔

جیسا پیارا تیرا نام ہے
اتنا ہی بڑا مجھے آسرا ہے۔
میں بہت سے دروازوں پر بھٹکا ہوں۔
مگر کوئی تیرے در کے برابر نہیں۔

اے رحم و کرم کرنے والے!
اس گناہ گار پر اپنی عنایت کم نہ کر۔
تیرے بغیر اس گناہ گار کو کوئی سارا نہیں۔

اے خفتہ! بیدار ہو جا
اتنی غفلت کی نیندا چھی نہیں۔
بہمنشا ہی گراں خوابی سے نہیں ملتی۔

کچھ سو، کچھ جاگ
اتنی غفلت کی نیندا چھی نہیں۔
یہ عارضی نہ کرانے بے
تو اس کو وطن بھجھ رہا ہے۔

سونے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا
یاد حبیب کر۔

اے نادان! اگر رات خواب میں گزاری
تو بہت پچھتاوے گے۔

گراہ بھاگ دیکھ کر لوئے
انہوں نے دودھ نہیں پیا۔
دنیا کے عوض دین گناہ کر مفلس ہوئے۔

کل تیرے ہم صفير چلے گئے۔
پیاروں کے بغیر
خچیل میں رہ کر کیا کرے گی۔

دیکھو! پرندے آپس میں مل جل کر
کس طرح محبت اور پیار سے رہتے ہیں۔
مگر انسان نفاق و انتشار میں بتلا ہے۔

کونج اپنے جھنڈ کے ساتھ رہنے کی عادی ہے۔
دوسرے پرندوں کے ساتھ دانہ نہیں چلتی۔
اپنے غول سے پچھز کر ساری رات
اپنے ہم صفیروں کو صد اوقی رہی ہے۔

سر رامکلی

اس جہاں میں یوگی
نوری بھی ہے اور ناری بھی۔
جنوں نے خود کو جلا کے عشق الہی کی آگ کو زندہ کر رکھا ہے
ان کے بغیر زندگی کیسی؟

میں ان کی تلاش اور جستجو میں محو ہوں۔
وہ تارک الدنیا چلے گئے۔
ان کی صحبت مجھے یاد آ رہی ہے
ان کے بغیر جینا کیسا؟

محونالہ و فغان ہوں
آنکھیں طالب دیدار ہیں۔
ان کا سخن یاد آ رہا ہے
ان کے بغیر زندگی کیسی؟

کاپڑیوں کے قدم عالم لا ہوت میں ہیں۔
ان کے سخن سے موئی جھڑتے ہیں
ان کے بغیر جینا کیسا؟

میں غفلت میں سویا ہوا تھا
مجھے عشق نے بیدار کر دیا۔
جنوں نے مجھے بیدار کیا
ان کے بغیر جینا کیسا؟

ان کے آستانے دیکھ کر دل بے قرار ہے
نفیری نے مجھے قتل کر دیا ہے۔
محوگریہ وزاری ہوں
ان کے بغیر جینا کیسا؟

ان کے آستانے دیکھ کر
غم کی چنگاری بھڑک اٹھتی ہے۔
صح دم کا پڑیوں کے ساز کی آواز نہیں آرہی۔
وہ جو راضی ہے رضا رہتے ہیں
ان کے بغیر جینا کیسا؟

ان کے آستانے کو دیکھ کر
وارفتگی میں محو نالہ و فغاں ہوں۔
وہ جو فلات چلے گئے
ان کے بغیر جینا کیسا؟

قریب رہ کر جلوہ یار سے محروم رہا
اس کا حسن و جمال لاثانی ہے۔
مجھے کوئی بھی ان جیسا دیکھنے میں نہ آیا
ان کے بغیر جینا کیسا؟

پسلے روز مجھے کا رزیوں کے بارے میں
یہ معلوم ہوا کہ ایک پل بھی عشق سے الگ نہیں۔
ہمہ وقت مخور نہ عشق ہیں۔

”سید“ کے سیاسی سدا محیا دالی رہتے ہیں۔
جوگی آدمیوں میں رہ کر خود کو چھپائے رکھتے ہیں۔

دوسرے دن میں نے بیرا گیوں کا حال سنا۔
ان کے گیروار نگ کے کپڑے گرد آلو دتھے۔
ان کی جٹا میں دھول میں الی ہوئی تھیں۔
انہوں نے خود اپنے گیسود راز کر لئے تھے۔
وہ اپنے وجود کی بات کسی سے نہ کہتے تھے۔
وہ تاریخ الدنیا اس حال میں مگن تھے۔
وہ آدمیوں میں رہ کر خود کو چھپائے رکھتے تھے۔

سیاسی وار فتگی کے عالم میں
دنیا سے لا تعلق رہتے ہیں۔
بظاہر مشغول بخن، بیاطن مشغول حق۔
جن کا دل غم عشق الہی سے ریش ہے
چلوان کا آستانہ دیکھیں۔

اگر چاہتا ہے کہ یوگی بنے
تو ترک علاقہ کر
دل اس سے لگا جو "لم یلد و لم یولد" ہے۔
اس طرح تو محبت کے میدان میں
منزل مقصود تک پہنچے گا۔

اگر چاہتا ہے کہ یوگی بنے
تو مرشد کے ارشادات کی پیروی کر
ہنگلاج کی طرف جاتے ہوئے ترک حصہ ہو س کر۔
اے سوامی! بہ شوق فراوانِ محیاداللہی ہو۔

اگر چاہتا ہے کہ یوگی بنے
تو خواہشات نفسانی کو مار
ہمہ وقت دل میں عشق کی دھونی رما
تبیح و تملیل کر
اللہ کی طرف سے آنے والے رنج و راحت پر
ضبط نفس کا مظاہرہ کر۔
راضی بہ رضائے حق ہو جا۔

اگر چاہتا ہے کہ یوگی بنے
تو جام نیستی نوش جاں کر۔
انا کو چھوڑ، فنا کو حاصل کر۔
تو اے طالب! تو وادی وحدت میں منزل مقصود پائے گا۔

یوگی اپنی ہستی کو مٹا کے راہ فنا اختیار کرتا ہے۔
اگر تو یوگی بننا چاہتا ہے تو اپنی ہستی کو مٹا۔
اے نادان! میری بات کاں دھر کے سن لے۔

اپنے وجود کو نیست کر، خودی کو اپنے سر سے دور کر۔
میں تجھے بتاؤں کہ یہ جسم و جاں کا رشتہ فانی ہے۔

یا تو یوگی بن یا اس مسلک کو چھوڑ دے۔
اگر توراہ کی مشکلات برداشت نہیں کر سکتا
تو کا ہے کو کان چھدو اتا ہے؟
یہاں سے بھاگ جا
ایمان ہو کہ تیری وجہ سے دوسرے یوگی شرمسار ہوں۔

جو روٹی کے طالب ہیں
وہ یوگی جھوٹے ہیں۔
جو بندہ شکم ہیں وہ بے مایہ ہیں۔

ظاہری کان درست نہیں سن سکتے۔
باطنی کانوں سے پیغام سن۔

سیاسیوں کے قدم طور سینا پر ہوتے ہیں۔
”سید“ کے خرقہ پوش سچدہ میں رہتے ہیں۔
”فکان قاب قوسمین اواذنی۔“
جو گی اتنا اللہ کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔
”کل من علیحافان“
وہ خود کو زندگی ہی میں فنا کر دیتے ہیں۔

فاقہ مستی ان کی گدڑی کی زینت ہے
وہ فاقہ میں مست رہتے ہیں۔
بے نیاز طعام رہتے ہیں۔
تشنہ کامی ان کا شیوہ ہے۔

”لطیف“ کے لاہوتیوں نے
من کی خواہشات کو مار دیا ہے۔
سوامی نیستی کی منزل طے کر کے
حق سے قریب ہوئے۔

سربر و سندھی

بندہ غیر کیوں بنتا ہے؟
 بندہ خدا بن جو جگ کا والی ہے۔
 اسی کو راحت ملے گی
 جس کا اللہ سے عشق ہے۔

آج پھر آنکھوں نے ساجن کو یاد کیا۔
 رخساروں پر آنسوؤں کی یوندیں نہیں تھیں۔
 لوگو! حبیب کے دیکھنے کی پیاس دیکھے نہیں بھتی۔

لوگ خدا سے مال و زر مانگتے ہیں
 میں ہر روز حبیب مانگتا ہوں۔
 میں دنیا کو حبیب پر قربان کر دوں۔
 جس کے ذکر سے ہی مسرت و شادمانی حاصل ہوتی ہے
 اس کے دیدار کا کیا کہنا؟

جب میرا محبوب محظی خرام ہوتا ہے۔
 تو زمینِ سُمِ اللہ کہ کے اس کے پاؤں چومنے لگتی ہے۔
 حوریں پا ادب کھڑی ہو کر حیرت سے اسے دیکھتی ہیں۔
 خدا کی قسم میرا محبوب سب سے زیادہ حسین و جمیل ہے۔

لوگوں میں خلوص نہ رہا
 ہر ایک دوسرے کا گوشت نوج رہا ہے۔
 دنیا میں صرف خوبیوں اخلاق باقی رہ جائے گی۔
 سب آدمی ریا کار ہیں
 مخلص تو کوئی ایک ہی ہو گا۔

اللہ نے دوست سے ملایا
تحمید رسم دراہ کی بات چھڑی۔
آمیں مسرووفا یہ ہے
کہ ترک محبت نہیں کیا کرتے۔

سرکار ایں

اے ہس! (سالک) آب
لولوئے آبدار پانے کے لئے کیوں نہیں جاتا؟
لب آب کھڑے رہنے سے کیا فائدہ؟

ہس وہیں ہوتا ہے جہاں عیق پانی ہے۔
کنگ اکھلے پانی میں غوطہ زنی کرتا ہے۔

مور مر گئے
ایک بھی ہس نہ رہا
جھیل جھونے کنگوں کا وطن بن گیا۔

سر بر بھاتی

اے سائل! آج تو کیوں پریشان خاطر نظر آتا ہے؟
 کل کہاں تھا؟
 ”لطیف“ کہے اے معنی!
 ادھر ادھر پھٹکنا چھوڑ دے۔
 ”سپریز“ کے در کا سوالی بن
 تو تجھے بیش بہادان ملے گا۔

فن ذات و نسبت کا محتاج نہیں
 جو ریاضت کرے گا وہ پائے گا۔
 ”سپریز جام“ انجانوں کی انجامیں سنتا ہے۔
 جو اس کے حضور شب ہجہ ریاضت کرتا ہے
 وہ فرمایہ نہیں رہتا۔

اے سوالی! اس سے مانگ جو ہر روز دیتا ہے۔
 دنیا کے چھوٹے دروازوں پر کیوں صد الگ آتا ہے۔
 یہ دے کے کل تجھے طعنہ دیں گے۔

سر بلاول

جانجا سرگردانی نہ کر
ایک تلاب کنارے سے سیراب ہو۔
سمہ کے راج میں جا
وہ بچھے عطا کرے گا۔
وہ سمه جس نے ناداروں کو تو گنگر کر دیا۔
وہ جس پر نظر کرم کرتا ہے
اس کے دکھ درد دور ہو جاتے ہیں۔

اے ”بکھرایا“ شاہ باد
میں کانوں سے تیری برائی نہ سنوں
تو نے نالائقوں کو نوازا۔

”بکھرایا“ ہی قابل تائش ہے
ویسے اور بھی مشہور سردار ہیں۔
جو عظمت ”بکھرایا“ کو ملی ہو وہ کسی کو حاصل نہ ہوئی
اس نے ازل سے ہی یہ مقام بلند پایا۔

”بکھرے“ جیسا اور کوئی مجھے اس دنیا میں نظر نہیں آتا۔
وہ سارے نبیوں کا پیشوائے ہے۔ اس کی شان زرالی ہے۔
فکان قاب قوسین اوادنی
(ا) کامقاوم اسے حاصل ہوا۔
یہ خدا کا احسان ہے جس نے ہمیں ایسا ہادی برق دیا۔

دو کانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ خدا اور اس کے درمیان رہ گیا تھا (ترجم)

جام در ک

(۱۳۷۸-۱۳۷۷)

مرتب و مترجم

غوث بخش صابر

جام درک (۸۳۷ء۔۱۳۷ء)

راشد متن

بلوچ صوفی شاعر جام درک جو کہ ڈو بیک قبیلہ کے سردار کرم خان کے صاحبزادے تھے۔ انہاروں میں صدی بیسوی کی دوسری دھائی میں پیدا ہوئے۔ اپنی طویل زندگی میں انہوں نے بہت سے ایجاد کیے۔ وہ بہترن شاہ سوار، گوار باز، شکاری اور کھلاڑی تھے۔ ان کی شاعری ان کے لئے قدرت کا عطیہ تھی اور انہوں نے وقار، مرتبہ، خودی اور اعلیٰ ترین عوامل کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔

وہ ناصرادل کے زمانے میں قلات آگئے اور اس کی سپرتی میں مختلف علوم سے فیض حاصل کیا۔ شای خانزادے کے علاوہ عام لوگ بھی ان کی بے پناہ عزت کرتے تھے۔ ان کی شاعری میں عشق مجازی کے حوالے سے عشق حقیقی کی روحاں مگتیاں سلبھتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ شای خانزادے کی کسی خاتون پر فریقت ہو گئے تھے۔ کیونکہ ان کی بہت سی شاعری اور گیت اسی امر کے غماز ہیں کہ وہ حسن نظرت کے ساتھ ساتھ اپنے کسی مجازی محبوب کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور اس عشق نے ان کی روح میں ایک آگ بھڑکا رکھی

۔

جام درک کی شاعری عوامِ الناس کے لئے شعری عطیہ کے علاوہ صوفیانہ اور روحانی قوتیں کی حامل بھی نظر آتی ہے۔ کما جاتا ہے کہ وہ استغراق کے عالم میں خدا کے حضور سجدہ ریز ہوتے وقت دنیا و مانیہ سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ اور اس عالم میں بے خودی کے بعد سرخوشی کے عالم میں جو شاعری تخلیق کرتے تھے وہ اعلیٰ صوفیانہ اندار کی حاصل ہوا کرتی تھی۔ جام درک کی نظموں میں فی البدیہہ اور رواں طرزِ اخمارِ ساحل پر پھیلی سکرتی موجودوں کی طرح معلوم ہوتا ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ روحانی تجویں سے گزر کر وہ یہی نوعِ انسان کو حقیقت، مطلق تک رسائی کا راستہ بھاڑا ہے ہیں اُنیٰ خصوصیات کی بناء پر بلوجی زبان میں ان کی شاعری بے حد مقبول ہوئی۔

اپنی عوای شفافت، روایات، اندار اور طرزِ زندگی کو اپنی شعری تخلیقات میں اس قدر سوہننا کہ وہ حقیقت کے قریب تر نظر آئیں جام درک کا ہی کمال ہے۔ جام درک نے ۱۸۷۴ء میں انتقال فرمایا۔

کھلکھلاتی بجلیاں

شب رفتہ کھلکھلاتی بجلیاں.....
 متانہ وار، لہراتی ہوئی شاداب آبادیوں کی جانب سے آئیں
 (جنہوں نے) محبوب کی نشانیاں، ہم تک پہنچائیں
 ہم نے اپنے بدن پر پھولوں کا مس سامحسوس کیا

دکن کی اور سے ایک دھنک ابھری ہے
 جس کے گرد خوش رنگ بادلوں کا ہالہ ہے
 بالکل ہماری محبوبہ کی اداوں اور اطوار کی حامل ہے
 میں دیوانہ ہوں دل سے الجھتار ہتا ہوں
 دل دیوانہ ہے مجھ سے الجھتار ہتا ہے

(یہ) سنہری رنگت والے بیٹے کی طرح ضد کرتا ہے
 یا ناظلم ترک بادشاہ کی طرح زیادتی پر مائل
 چھنگھور گھٹاؤں سے زنجیر آساز لفون والی محبوبہ کا متلاشی
 اس کا خواستگار جو سینکڑوں میں ایک ہے
 مول میں جو ہزاروں اور لاکھوں کی ہے

ہم نے اپنا حال دل مرکب سے کہا
 اس سبک رفتار دشت نور نے صور تحال سے مطلع ہو کر
 زامر جیسی اپنی دم اس نے مور پنکھ کی طرح پھیلادی
 اور اسے چاپک کی طرح اپنی رانوں پر مارنے لگا

اے میرے آقا! جو بھنگ اور مشک کی خوشبو کا شائق ہے
 جس کی دستار میں خراساں کی مشک کی خوشبو بسی ہوتی ہے
 خدا نے قادر حادثات سے محفوظ رکھے
 میں آپ کو شام تک وہاں لے کر جاؤں گا

اس شاندار خیسے کے سامنے
 جہاں آہو کی مانند وہ حسینہ رہتی ہے
 جو سرو قد گھر رنگ اور خوش اندام ہے
 جو لعل اور ہیرے کی مانند ہے اور یا کمین کی خوشبو سے معطر
 جو ہرات کی مصنوعات میں ملبوس محظوظ رام ہے

آغاز گفتگو ہی میں عرض مدعای کرنا
 دل مجبور کی افتادہ بیان کرنا
 اور وہاں بیٹھ کر دل کے دکھوں کو بسانا
 محبوب کے بدن سے گل یا کمین کی خوشبو پھوٹ رہی ہے

آپ خود عشق کے راز و نیاز سے باخبر ہیں
 (کاش کہ) دوست ہمیں کوئی دواعنایت کرے
 اے گرمیار گفتگو کرنے والے آجا کہ بہم ہم کلام ہوں
 محبوب کے فراق کے غم و اندوہ کا تذکرہ کریں
 دشمنوں کی آنکھوں میں دھول جھو نکیں

میں اور تو

آج میرے دل کا عجیب عالم ہے
وہ آنکھیں جب میری جانب نگرائی ہوتی ہیں
(اور) وہ زلفیں سنوار کر محظی خرام ہے
محبت کی منزلیں طے کرنے کے لئے
(شوق نے) مجھے مرکب راہ وار بنادیا ہے

دوست میریان ہو تو میں دیوانہ نہیں
وہ خود ملتفت ہو تو (زہے نصیب) ورنہ میری کیا مجال ہے
بمنشینو! جام کی فریاد سنو

یہ تو یہاں تک تھا، اب کچھ اور بیان کرتا ہوں

حق تعالیٰ کو اس پر جلال آئے گا۔
مگر میں کیا کروں
مجھے محبوب کے دکھوں اور غموں نے جلا کر بھسم کر دیا ہے
میں ہجر کے ان دکھوں میں کے اپنا ہمراز بناؤں

(اے دل) وہاں لے جا جہاں محبوب کا قیام ہے
محبت کے برج جہاں سینکڑوں سالوں میں تغیر ہوتے ہیں
بند دریچوں کے پچھے چادر تان کر سونے والی
دل سے پیار تو کرتی ہے بظاہر بدعا دیتی ہے
تمام مسلمان یقین کر لیں
میری روح اس کی قید میں محبوس ہے

جو جو گناہ اس گل کے لئے مجھ سے سرزد ہوئے ہیں
 میں نے سواری کے جانور (تن خاکی) پر بھاری بوجھ لاد دیا ہے
 وہ اس بوجھ سے سرتاپا دب کر رہ گیا ہے
 ہمنشینو! جام کی فریاد سنو

یہ تو یہاں تک تھا۔ اب کچھ اور بیان کرتا ہوں

برق رعد موسلا دھار بارش کی بوندیں
 دور دیں سے قطع منازل کرتے، اونچے برجوں سے گزرتے
 اس طرح آتے ہیں جیسے طیور اور کبوتر انھلائیں
 یہ مناظر تمہارے بدن کے گہنوں کا صن دو بالا کرتے ہیں
 نتھ، بول اور ڈاؤنی کی بھار
 تاب حسن سے اوڑھنی اور ریشمی ملبوس سلگ اٹھتے ہیں

وہ خوشبو سے خود کو آراستہ کر رہی ہے
 جسے دیکھ کر میں غنوں کا بوجھ بلکا کرنے کی کوشش کرتا ہوں
 رفیقو! ہمنشینو! جام کی فریاد سنو

یہ تو یہاں تک تھا اب کچھ اور بیان کرتا ہوں

اے منڈیر پر بیٹھنے والے طوٹے!
 خدا کا واسطہ ہے میرا سلام لیتا جا
 (میرا سلام) محبوب کو گھر کی دہنیز پر جا کر دینا
 خواہ دن کا وقت ہو یا پس رات

وہ جو پھولوں کے ہار پر واقع ہے
 (کہنا) تو چودھویں کا چاند ہے تو میں رات ہوں
 تو مہر نیکروز ہے میں (عمل) سورج

تو اونٹوں کا گراں قدر گلہ اور میں اس کا محافظہ دست
 تو فرش خاک، تو میں تیری چٹائی
 تو ننگے پیر ہے تو میں تیرا پیرا رہوں
 تو سیاہ ناگ ہے تو میں تیرا جوگی ہوں
 منتروں کا جاپ کرتا تجھے قابو کرلوں گا
 ہمنشینو! جام کی فریاد سنو

یہ تو یہاں تک تھا اب کچھ اور بیان کرتا ہوں

آج میان میں حماکل میری تکوار شاد کام ہے
 (کیونکہ) "جام" کے پہلو سے لپٹی ہوئی ہے
 تیرے یہ قدم قدم کے طلاقی گئے

ہرنی کی مانند کثورے جیسی تیری آنکھیں
 تیری رعنائیاں زیوروں کی محتاج نہیں
 اے گل اندام! تو طلاقی زیورات سے بے نیاز ہے

محبوبہ اگر چاند کی طرح میتارہ نور ہے تو میں شب تار
 محبوبہ اگر چاند کی کرن ہے تو میں گھنٹا گھنٹا ہوں
 محبوبہ اگر لہراتی ہوئی تکوار ہے میں بوجھ سارنے والا کندھا ہوں
 ہمنشینو! جام کی فریاد سنو

یہ تو یہاں تک تھا ب اور کچھ بیان کرتا ہوں

”جام“ کے جگر گو شے! یہ اشعار غور سے سنو
یہ حیات مستعار فالی ہے، دنیا خاک کا ذہیر
حیات دوام کسی نے بھی نہیں پائی

تو حسین دلباب ہے میں تیرا شیدائی
باغوں کا تو منتخب پھل ہے
تو اگر نہیں آتی اس کا نتیجہ تھے معلوم ہے؟
تازہ گفتار شاعر کا کیا حال ہو گا

”جام“ کا بدن آتش فراق میں جل جائے گا
وہ کسی کام کا نہ رہے گا
عاشقوں کے لئے (فرقہ کی) ایک ایک گھری سال بن جائے گی
کیا تم مجھے نہیں پہنچانے میں جام درک ہوں
جوڑو مبکی (قیلے) سے پچھر گیا ہے

یاران ہدم سنو

یاران ہدم سنو
دوستو، دشمنو
شامانہ مزاج رفیقو
میرا کلام سنو

میرے اشعار کے دفاتر (جن میں)
میں نے لعل جمع کیے ہیں
میں نے (ایسے) اشعار کے ہیں
میں نے موئی پروئے ہیں

رسول صحمد
دیکھی دلربا
روح کی مانند لطیف
حور شماں
بتان کی بمار
انار کی لڑی جیسے دانت
مانند گل تبسم
ہے تو مروارید برسیں
اس کی زگر آنکھوں سے

(یہ تو) آنکھوں کے لئے باعث زیاد ہے
(بلکہ) دل و جان کے لئے بھی

عالم خیال

شب رفتہ عالم خیال میں
میں نے اک خوش خرام محبوبہ دیکھی
ایکی مہہ وش چاند جسے دیکھ کر شرمائے
پرندوں کے وزیر طاؤس کی طرح متاز

اگرچہ محبوب ہم چشموں میں مثال شاہ ہے
اس کی ادا میں خود سرانہ ہیں
جو زیورات سے بھی بنی ہے
اور ماہ تمام پر طعنہ زن ہے
اس کی خوبصورت کل پر خوشگوار سایہ ہے
گل اندام ستاروں سے بھی سوا ہے

تاہم وہ جدا ہونے کے قابل نہیں
ہنس دے تو موتی جھریں
محو خرام ہو تو دھرتی فروزاں ہو
ہم نے خواب سرت میں
محبوب کے ہونٹوں کا رس دودھ کی طرح گھونٹ بھر کر پیا

بیدار ہونے پر (مضطربانہ)

امیرانہ لباس اتار کر

کاسٹ گدائی ہاتھ میں لوں

در در پر ہانک لگاؤں

سوکھے نکڑے مانگتا ہوا

کتے کا ایک پلا ساتھ لئے

پوری تیز رفتاری کے ساتھ

محبوبہ کے حریق و محمل کی پروانہ کرتے ہوئے

اس کے در پر پہنچ کر درویشانہ نعروہ بلند کروں

محبوبہ خیسے سے باہر آئی

ہاتھ پوچھتی ہوئی

پردیسی فقیر نے کہا

میری جان مجھے غم فراق نے ہلاک کر ڈالا ہے

محبوبہ نے اپنے ہاتھوں کی نشانی دے دی

دل غم دیدہ کو قرار آگیا

چال میں طمانیت سی آگنی

زدہ کو کانتے والی تنقیجیں زلفیں
آنکھیں سوہان کی طرح (دل میں اترنے والی)

گویا دو چراغ فروزان ہیں
وہ باغوں کا خوشبو دار پھل ہے

ہاتھوں میں قیمتی جواہرات کی لڑی ہے
چہرے پر مروارید
انگشتی میں عقیق جزا ہوا
طلائی ہار قابل نظارہ ہے
جو سانپ کی طرح بل کھایا ہوا ہے
ہاتھوں میں انمول فیروزہ

ہمارے دل پر تمہری حکمرانی ہے
ہم سے اک پل کے لئے بھی پناہ نہ ہو
ایک طرف سے سرت، دوسری جانب سے ہم
آنکھیں آنکھوں سے نکرا میں
ہم نے پازیب کے بوے لئے

ہموارہ چاند کی طرح دل ربا
میرا مستانہ دل باغ باغ ہو گیا
ایک شاخ سے ہزاروں شاخیں پھوٹیں
ہر اک شاخ پر نیا پھول کھلا
پھولوں پر نکھار سا آگیا

گویا ہم نے (عشق کی) خونچکاں داستان پڑھ ڈالی

آنکھوں کو بصیرت نصیب ہوئی
عوارض کی دوا دیجئے
ہم آپ کے تابع فرمان ہیں
آپ کے ہار سنگھار اور زینت کے (مداح)

اے عشوہ طراز، کم کر عشوہ و ناز
کم کر تیغ و تیر کی بازیگری
یہ تیری قدرت سے باہر نہیں
کہ ہمارے سنگ ایک پالہ تلخانہ نوش فرمائے

مطرب ساز طرب

بحمد میں خدائے ستار کو یاد کرتا ہوں
 روزی دینے والے دا تاکو
 دوستو میری باتیں غور سے سنو
 ”جام“ کے موزوں کردہ اشعار

مطرب اپنا ساز اٹھا لے
 خوشنوا تاروں کے آہنگ سے نغمہ چھیندے
 اور یہ نغمہ حاکم اور سردار کے ہاں جا کرنا

ایک دن میں کسی کام کے سلسلے میں
 ڈھاڑر کے متول دربار سے گزرا
 بازار میں میں نے ایک حینہ دیکھی
 جو کرتی اور دوپٹہ پنے ہوئے تھی
 گیسو زنار کی طرح شانوں پر ڈال رکھتے تھے
 پیچوں مانگ نکال رکھی تھی
 ہونٹ گلنار کیے ہوئے
 جن پر دندا سے کی پھبن تھی
 تاک گٹھار کی مانند ستواں

باغ میں میں نے تین طوطیاں دیکھیں
تینوں ہمسرا اور در آبدار تھیں
(وہ) پھول جو حکمران کے باغ میں کھلا ہے
سلطان کے سرو دستار کی زینت ہے

میں نے چاہا کہ انمول (محبوب) سے ملاقات ہو
محفل میں سائل بن کر بیٹھوں
معزز مجلس میں باریاب ہوں

جب ہم رو برو آئے
اس کی شوکت و سطوت دیکھی
دل غم دیدہ کوئی زندگی ملی
عارض پر تازہ پھول کھلے
ہرشاخ کا اپنا الگ رنگ تھا

محبوب میرے دل کی حالت پا گیا
چہرہ عارض سیست عطا کر دئے
جمال دل افروز دکھلا کر
میری روح سے (غم و غصہ کا) ناگوار بوجھ ہٹادیا

دلربا محبوب

گزری رات میں نے اس دلربا محبوب کو دیکھا
جو حسینوں کا سر تاج اور سر بر آور دہ ہے

دلی زبان سے میں نے عرض کیا
میری جان! یوں بے محابہ نہ گھوما کر
(ورنہ) تمہارے شمع رخ کے گرد پروانے سمٹ آئیں گے
اور اس طرح کئی عاشق جان سے جائیں گے

میں نے شکوک اور اوہاں کے سارے قفل توڑا لے ہیں
اور عشق حقیقی کو تسلیم کر لیا ہے
میں نے اس گلرخ سے کہا
وہ جود ر گفتار اور ہزار ناز ہے
جس کی نہیں میں پھول جھڑتے ہیں
اس شکر گفتار سے کہا
تیرے فقیر کی حالت یہ ہے کہ
دل فراق کے مارے زخم زخم ہے

جو مالک حقیقی سے محبت رکھتے ہیں
وہ منکروں سے بیزار اور متنفر ہیں
لباس سے بھی وہ خاکسار نظر آتے ہیں
اور آنحضرت پر درود بھیجا کرتے ہیں
اور خالق کائنات کی حمد کرتے رہتے ہیں
سرماکی طویل راتوں میں
آدمی آدمی رات کو نالہ و فغان کرتے ہیں

قول

آج میری محبوبہ وادی وادی دھمک رہی ہے
گویا وہ بد خشان کا ایک لعل گراں بہانت
(ایسا لعل) جو لاکھوں فلوں میں بھی ہاتھ نہ لگے

جو اہر فروشو! میں ہی اس کا خریدار ہوں
جو خوبیوں میں بھی ہوئی معطر ہے
جس نے تیل پھیل سے بناو سنگھار کر رکھا ہے
جو قیمتی ملبوسات میں ملبوس ہے
قصر ناز میں ایک بچلی سی بچل رہی ہے
نظرید سے بچنے کے لئے (اس نے) نقری تعریز پن رکھے ہیں

قامت رعناء پر شمشاد قربان
محبوبہ گل لالہ بلکہ مجسم گلتان ہے
جس کے رو برو سرو بستاں بچل ہے
(اس مدد و ش نے) کئی چکوروں کو سر گردان کر رکھا ہے

آپ سلطان ہیں میں آپ کی خاک پا ہوں
مجھے ہر گز بھلانہ دینا
میں آپ کو کبھی بھی دل سے بھلانیں سکتا

میری یہ استدعا ہے جو آپ سے عرض کرتا ہوں
 جو بخیل آدمی ہے اسے کوئی بھی اچھا نہیں کہتا
 پہلے غریبوں کو خود سے امیدوار کرتا ہے
 پھر خود کو پردے کے پیچھے چھپا لیتا ہے

بات قیمتی موتی کی طرح ہے
 منہ سے نکلنے کے بعد ادنی پتھر بن جاتی ہے
 قول و خن اگر سنجیدہ ہو
 پتھر کی طرح وزن دار ہوا کرتا ہے
 طوفان باد و باران اسے اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتے

قوم کی محترم شخصیتو اور باد قار حسینو
 اے جنت کی خور میری عرض سن لے
 اپنے عارض اور جین سے نقاب الٹ دئے
 تاکہ میرے محترم ہو کر دل کے داغ دھو سکیں
 تیرے ہاتھوں سے میری دنیا پا کیزہ اور پر سکون ہو سکے

تو میرے ہمراہ ہو تاکہ میں دل و جان سے تیری ستائش کروں
 اور امن و امان سے اس منزل تک پہنچ جاؤں
 جہاں طالبوں اور سنگدلوں کا خوف نہیں ہو گا

(۱)

سورج جب بادلوں میں مستور اور سایہ ابر ہو
 جب بادل برنسے پر آمادہ ہوں
 بادلوں سے دعائیہ عرض گزار ہوں

بادلو! جا کر شاداں و فرحاں نرک پر برسو
 تاکہ ندی، نالے اور سبزہ دلکش مناظر پیش کریں
 بندات لبرز ہوں اور کوہستانی گڑھے پانی سے بھر جائیں
 کونج جیسی محبوبہ صبح سویرے (سیلیوں) کو لئے
 کونجوں کی مانند کرلاتی کوہستانی حوض تک جائیں
 ایک پر گزر کر لوث آئیں
 پھر کبوتر ان کے شانوں پر پرواز کرتے رہیں

تمہاری انگوٹھی اور انگشتی
 ناروں نے اپنے ہاتھوں ڈھالی ہیں
 زیور تیار کرنے سے ملے ناروں نے خاصی محنت کی ہے
 سونے کی یہ بالی کیسی بچھلی لگتی ہے
 جو ایک عالم سے خراج گھسین وصول کر رہی ہے
 اے پری خود کو میرے بوس و کنار کے ڈر سے مستور نہ رکھ

پریوں کا جھر مٹ

پرسوں (ہم) سر بز و شاداب بیلہ سے
سُبک رفتار مہلورا کے ہمراہ روانہ ہوئے

”مہلو“ رکاب پر پاؤں دھرنے نہیں دیتی
نہ ہی اپنے پا کیزہ پہلو اور رکاب کو چھونے دیتی ہے

علی الصباح گھر سے چلا
”ہوبی“ (پہاڑ) کے مناظر دیکھنے کے لئے
پہاڑوں میں سے ”ہوبی“ قابل دید ہے

جس پر ابر خنک برستا رہتا ہے
شب و روز بر فماری ہوتی رہتی ہے
دن ہو کہ تاریک راتیں
برف جھملاتی رہتی ہے

سنرے اور حریری تختوں پر
چنانوں پر انگور پک چکے ہیں
لیموں اور دوسرے قدرتی پھل
طیور اور پرندوں نے چک لئے ہیں
باز اور بھوکے کبوتروں نے

بزرگی کے مالک اصحاب اور عرشی فرشتو
بادلوں نے مجھ سے بڑا ہی دھوکہ کیا
(یہ طے کر کے کہ) ”آج درک کو بھگوئے بغیر نہیں چھوڑنا
کرمو کے کشیدہ قامت بیٹھے کو۔“

(بادل) بہم مشورہ کر کے متفق ہوئے
 مجھے صحراء اور بیابان میں آن لیا
 میرے ہاتھ کی کمان بھگوڑا لی
 صندل کی لکڑی سے بنا میرا رباب (اور) جلترنگ بھی
 ہرات کی خوشبو میں معطر میری دستار بھی

اب جو بادل چھٹ گئے
 نم آلو دہواؤں نے بخ بدل دیا
 میں نے عقاب کی طرح اپنا بدن جھاڑ لیا
 شیر کی مانند انگڑائی لے کر اٹھ کھڑا ہوا

پریوں نے کوہ بام سور کی چوٹی پر
 آگ روشن کر رکھی ہے
 بلند چٹانوں کے قرب جوار میں
 آسمانی مخلوق (پریاں) آکر جمع ہو گئی
 اور حلقة سا بنا کر محور قص ہو گئیں
 چٹانوں پر عشوہ طرازیاں کرنے لگیں

میں نے آگے بڑھ کر چاہا کہ ایک کو پکڑا لوں
 کچھ آگے بڑھا، قدرے پیچھے ہٹا
 آسمانی (مخلوق) پریاں اڑ گئیں
 اڑ کر بلندیوں کی جانب چلی گئیں
 اوپری اڑان کے بعد دور جا بیٹھیں

(کہنے لگیں) ہائے رے دیوانے فقیر
دیوانے اور حیوان نما

وہیں رک جا۔ اپنی خاطر آز رودہ نہ کر
ایسا نہ ہو کہ غصے میں خود پر جھلا اٹھے
ہم اس دھرتی کی مخلوق نہیں ہیں

ہم تو شہیدوں کے لئے مخصوص پریاں ہیں
جس دن تجھے شادت نصیب ہو گی
اور تیرا کاروں ان بدقی منزل کو روانہ ہو گا
(اس روز) ہم نو عروس کی طرح زلفیں سنواریں گی
تیری را گہر ز پر تیری منتظر ہیں گی
ہم تجھے اپنے بروں پر اٹھائیں گی
تیرے دل کی چنگی بجھائیں گی
تیری قامت کو تسلیم اور تمباوں کو سیرابی بخیں گی

میرے سچیلے ساتھیو! خوشی کے گیت گاؤ
جری اور سچیلے ساتھیو!
(دعا کرو) مجھے جلد از جلد شادت نصیب ہو
تاکہ میں آسمانی پری سے شادی رچا سکوں
اور اپنے وجود کو گناہوں سے پاک کرلوں

خوشانیم بہشت

حوتا نیم (حمر) تو بن پوچھے جنتی ہے
کیونکہ تو نازک اندام محبوبہ کی جانب سے آئی ہے

اس گل اندام کے عارض سے کھیلتی رہی ہے شب بھر
پوری طرح اس گوہر آس اچھے کو عینم سے نم کیا ہے

جب اس چاند کو شرمانے والے چھرے نے
قیمتی پردوں اور بچھونوں سے باہر جھانکا
تو نے اس کی زلفوں سے میٹھی ممک اڑالی

ہجرو فراق راتوں کو مجھے چر کے لگاتے ہیں
کیکر کی لکڑی کی تیز آنچ پر بری طرح جلاتے ہیں
میں اپنے محبوب کے خلوص و محبت کا سوچ کر
آدمی آدمی رات کو بیقرار ہو جاتا ہوں
اور اس ماہ رو کی خوشنگوار محفلوں کی یاد میں تڑپا رہتا ہوں

اس کے جی میں ہے کہ مجھ پر کوئی بھاری احسان کرے
عظیم اور بامعنی احسان
(مگر) حسینوں کے ناز صبر آزمہ ہوتے ہیں
بھی نایاب اور بھی فراواں
ٹھہر ٹھہر کر جسم و جان کو اذیتیں دیا کرتے ہیں

نہیں، میں محبوب کے حکم سے سرتاہی نہیں کر سکتا
بلکہ سپر کی طرح اپنی جان پیش کرتا ہوں
(اس کی) آنکھوں تازیانوں اور تیر و پیکان کے لئے

نہ یہ مجال ہے مجھ میں کہ عرض مدعاؤں
نہ یہ تاب و توان خود میں پاتا ہوں
کہ اس مدد لقا سے گفتگو کے لئے زبان کھولوں

اس دن کے لئے منتظر، چشم براہ ہوں
کہ خدا اس کے دل میں محبت جگائے
اور وہ حور شماں کل طلائی تخت سے اتر آئے
مجھ جیسے (سمہ) سلطان مرتبت شخصیت کے طالع کے

سمہ کامل کی طرح بلند ہو کر (چڑھ آئے)
شہزادہ کی طرح ہمارا رہنماب نہ
اپنے گھر بارہ، ان سے میرا حال پوچھئے
سالہا سال دل میں گھر کئے ہوئے
غم ہجران کی بابت دریافت کرے

بے خواہیوں اور شب بیداریوں کا حال پوچھئے
درد کی ٹیکیوں سے سکون کا سامان تو میر آجائے

اے انمول لعل بد خشائی!
ہمیں آپ کے سر اقدس کی قسم
آپ کی شہدو شیریں صحبتوں کی آرزو میں
مجھ پر عجیب سی بیخودی طاری ہو جائے گی
اگر تمہارا شہری چرہ میرے خون بھا کے عوض میر آسکے

پکل سرمست
(۱۸۲۹-۱۷۳۹)

مترجم
نصیر مرتضی

چل سرست (۱۸۲۹ء۔ ۱۸۳۹ء)

چل سرست

چل سرست جن کا اصل نام خواجہ عبدالوہاب تھا خیر پور سندھ کے علاقہ درازان کے ایک صوفیانہ گمراہے میں ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوئے۔ انہیں پچپن ہی سے صوفی قرار دیا گیا ہے ان کے آباء میں سے شاہاب الدین محمد بن قاسم کے ساتھ ارض سندھ پر وارو ہوئے۔ تھے چل سرست کے زمانہ میں سندھ پر کلموڑوں کی حکومت تھی بعد ازاں یہاں تال پور حکمران ہوئے اور چل کی وفات کے وقت سندھ بدر تجیر طانوی اجارہ داروں کے قبضے میں آ رہا تھا۔ روایات کے مطابق کہا جاتا ہے کہ چل کا نام تجیر کی بناء پر سرستی کی بناء پر چل سرست پڑا اور وہ چل سرست کے نام سے معروف ہوئے۔

تاریخ دانوں کے مطابق چل کی شاعری ماضی کے تجربات اور مشاہدات کی بناء پر مخصوص فلسفیانہ انکار کی حامل نظر آتی ہے۔ بے پناہ طالعے اور سرکردہ مشائخ و علماء کی تربیت کے سبب چل کو بہت سی زبانوں پر عبور حاصل تھا انہوں نے سندھی، سرائیکی، فارسی، پنجابی اور اردو میں اعلیٰ پائے کی رو حاصل شاعری کی۔ چل صوفی شعرا کی اس قبیل سے تعلق رکھتے جو "ہمسہ اوسٹ" کے فلسفے کی تکلید میں ہر شے میں خدا کے مظہر کو دیکھتے ہیں۔ چل کی فکر کی اساس معروف فلسفی "عطار" کے نظریات پر مبنی ہے۔ ان کی شاعری میں "منصور حلاج" کے صوفیانہ تجربے کو خصوصی اہمیت حاصل ہے جسے کہ نگ نظر علماء نے قابل گردن زندگی گردا تھا۔ حلاج کا فلسفہ

کچل کی شاعری میں سوفیانہ استعارے کے طور پر جایجا نظر آتا ہے۔ کچل کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت اس میں شامل غنائیت اور موسیقی ہے۔ تمام تر شاعری فکری گمراہی کے ساتھ ساتھ موسیقی کے اسرار روز میں بھی رچی بھی ہوتی ہے۔ وہ بینفائد طرز تھا طب کی بجائے "من و تو" کے حوالے سے ذات مطلق کی نشاندہی نہایت سادہ اور رواں انداز میں کر دیتے ہیں۔

کچل سرمست کا وصال ۱۸۲۹ء میں ہوا۔

(۱)

پسلے توڑ دے سب
بندھن خام خیال کے
حاصل ہو گی تب
حیرت تجھے حلاج کی

(۲)

ہر جا حکم چلائے جو
ایسا بن انسان
صورت سے پہچان
دیکھ کے یار تو صورت کو

(۳)

گرتوجانے "آپ" کو
میں ہوں کوئی "اور"
"دوئی" تجھ کو لے ڈوبے گی
مورکھ! کر لے غور

(۴)

بندھن سب تعظیم کے
توڑ کے چل انسان
نوبت انا احت کی
بجا علی الاعلان

(۵)

جسے تو جانے مونج وہ ہی تو ہے مران
 یہ ہیں ان کے اونچ
 سولی کی جو راہ چلیں

(۶)

کفر و دین دلوں کے دام
 یہ موجودوں میں ڈالدے
 ان کے بعد ترے احکام
 ہر جا چلیں جگ میں

(۷)

پیچھے سے محبوب کو
 سجدہ ہے بیکار
 سجدہ رو اسی سمت
 جس رخ چہرہ یار

(۸)

جان نہ تفاوت
 عبد اور اللہ میں.
 یہ بھی تو امرت
 وہ بھی خدا نہیں اس سے

(۹)

جو یہاں موجود ہے
وہ ہے وہاں موجود
گرنے سے دیوار
ہیں ایک شاہد و مشہور

(۱۰)

گمراہی سے ہی ہوتی ہے
قدر ہدایت کی
بن گمراہی کب ملتی ہے
نظر ہدایت کی

(۱۱)

جمان ہجوم ہے انسانوں کا
وہاں نہ میں جاؤں
سر سجا کر اپنا یارو!
راہ حلانج کی لوں

(۱۲)

ہے جو عقیدہ عام کا
وہ میں نہیں مانوں
یارو! میں وہ ہوں
بندہ کسی کا جو نہیں

مجھ سے ہوئی اب بھول
خود کو سمجھا آدمی
دور ہوئی جب بھول
میں سامیں تو خود ہوں

(۱۴)

جیسا خود کو سمجھا تھا
ویسا ہی میں تھا
پھر مجھ صاحب کا
رہ گیا ہے نام بس!

(۱۵)

اس کو پاگل مت کو
پاگل خلقت ساری
اس پاگل کو چیزیں جو
قسمت کہاں ہماری

(۱۶)

چپ بیٹھوں مشرک کھاؤں
بولوں تو میں کافر ہوں
چل جو بھد کی بات ہے
کس کس کو سمجھاؤں

(۱۷)

میرے من میں آگ عشق کی
تونے ہی بھڑکائی
آہ و فغاں کی صورت میں
تیری یادِ لبؤں پر آئی

(۱۸)

جن کی دکھ سے یاری
ان کا ملے نہ کیں نشان
قسمت سے ہی دکھ ملتا ہے
سب کا بخت کہاں؟

(۱۹)

جیون دکھ کے سنگ بس کر
جب تک جینا ہے
پریشم سے جو بول بندھا ہے
اُس کو پانی دے

(۲۰)

جن کی دکھ سے کی یاری
منہ ان کے مشعل
ان کے دکھ کی پیتا جانوں
بات بڑی مشکل!

(۲۱)

اک تجھ کو میں "ہوت" نہ بھولوں
 بھولے سب سنار
 موت سے بھی آنکھوں میں
 تو سدا بے دلدار

(۲۲)

تجھ کو کیسے بھولوں پریم!
 بھولے سب سنار
 تیرے سنگ ہی میری ہستی
 دور نہ ہو دلدار

(۲۳)

چن لے میری بات پیا!
 تجھ کو ہی چاہوں
 تیرے سنگ چلوں
 جگ روٹھا تو کیا ہوا؟

(۲۴)

جب تک ان کو ملوں نہ مادر!
 موت نہ آئے راس
 رہے گی مجھ کو موت سے تک
 پیا ملن کی آس

(۲۵)

وہ جو بائی، پیچ کا
کاش وہ آئے پاس!
لے آئے کوئی یار کو
من میں پھولی آس

(۲۶)

منزل پر مرنا سیکھو
اس پر جیون قربان
عاشق پیچھے کب ہے
دے بڑھ کر اپنی جان

(۲۷)

ابھی تو کل وہ جدا ہوئے ہیں
ابھی تھے میرے یاس
سکھ سب چھن چلتے، میرے من کا
آنگن ہوا اداس

(۲۸)

”لوئی“ اوڑھ کے دلمن بی میں
اپنے لوگوں میں
ان پرواروں ہیرے موتی!
جان پیچھی دیدوں میں

(۲۹)

جیسی تھی "ملیر" میں
ویکی رہوں یہاں
پر وہ بات کہاں؟
قیدی ہوں زندگی میں

(۳۰)

پاس رہیں وہ میکے والے
رہیں نہ مجھ سے دور
بن ان کے کیا جینا مرنا!
اب تو ہوں مُجور

(۳۱)

عمر! بنا میکے والوں کے
میں بد صورت ہوں
لوئی ان کی نشانی
ہر دم اپنے سر پر رکھوں

(۳۲)

ملک "ملیر" کی سمت سے آج
ایسی چلی ہوں
جیسے قادر لینے آیا
میں نے یہ سمجھا

(۳۳)

سدا رہیں خوشحال
مارودیں میرمیں
کوئی دکھ ملال
آئے نہ ان کے جیون میں

(۳۴)

ترے رنج نے چھری بنا
مجھ کیسے رکھ دیا کاٹ
رانا! میری خوشیاں لے کر
گیا ہے تو کس گھاٹ!

(۳۵)

اب بھی یاتی ہیں بیراگی
میں نے دیکھے کل
کیوں نہ ان کے سنگ گئی میں
روتی ہوں پل پل

(۳۶)

ہم تم دونوں ایک ہیں
ساجن! یوں ہیں بستے
یادوں میں جوں بخلی سائیں!
چھمل بھمل چمکے

(۳۷)

سوانگ رچانے سکھیاں آئیں
 ساون رت کے سانچھے
 گرج گھن میں بھلی چمکے
 باجیں راگ کے سانچھے

(۳۸)

مولا! آج تو جل تھل کر دے
 اس بہمن کا دلیں
 آن ملے گا برکھارت میں
 پرتم ہے پر دلیں

(۳۹)

مت سمجھو یہ بات سکھی ری!
 بیت چلی برسات
 تھوڑی دیر کو تھمی ہے یہ
 پھر ہو گی برسات

(۴۰)

کان پھٹے تھے جو گز رے
 پاندھ کے آج قطار
 ایسی بجا کے ملی کر گئے
 مت ہمیں تیار
 ان کی بات نہ بھول سکوں گی
 جیون کے اس پار

(۳۱)

رو رو کروہ خون کے آنسو
کہتی ہے اے کاگا!
”تجھے باؤں میں گھنگھرو باندھوں
چھم چھم تو چھمکا
سندیسہ ساجن سے لے کر
ساتھی، جلدی آ

(۳۲)

چن کر موتی، میں پنجھی کے
کروں مرصع پر
اڑکر میرے پریتم کی
جولائے خوب خبر
آئے میرے گھر
کرے تباہ پریتم کی

(۳۳)

ساجن نے سندیسہ لکھ کر
کانفذ پر بھیجا
پناہ بات اسی میں ساری
اور نہ کوئی سمجھا

(۳۴)

کاگا ان کے پاس سندیسہ
ساجن کالایا
پڑھتے پڑھتے اشکوں میں
وہ بھیگ گیا سارا

طوق علی مست
(۱۸۹۲-۱۸۲۵)

مترجم
غوث بخش صابر

طوق علی مست (۱۸۹۲ء-۱۸۲۵ء)

راشد متن

بلوچوں میں سب سے زیادہ محبت کیے جانے والے صوفی شاعر "طوق علی" "مست وکلی" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ مری قبیلہ کی ایک شاخ در کافی سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی تاریخ پیدائش سے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بعض مورخین نے محض قیاس کی بنیاد پر تحریر کیا ہے کہ یہ ۱۸۲۵ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور اپنی شاعری اور صوفیانہ افکار کی بدولت بے پناہ عزت شریت اور مرتبہ حاصل کرنے کے بعد ۱۸۹۲ء کے قریب جان فانی سے کوچ کر گئے۔

طوق علی مست بچپن ہی سے بکریاں چرانے کے پیشے سے ملک تھے۔ اور انسوں نے ساری زندگی بھی بھی کسی دوسرے پیشے کو اپنانے کے بارے میں نہیں سوچا اور کوفر کے ساتھ اپنے اس پیشے کا ذکر کرتے۔ شروع ہی سے انہیں عام بندوں میں انسان کی حیثیت سے تسلیم کیا جانے لگا تھا۔ اپنی سرگردان طبیعت کی بدولت اور مست الست ہو کر حقیقت مطلق کی تلاش میں پرہت سے پرہت، وادی سے وادی ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے اور ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک گھوٹتے رہے اور لوگ انہیں طوق علی مست کی بجائے توکل کرنے والا مست توکلی کہہ کر پکارنے لگے۔ انسوں نے سون کے شاہباز قلندر، ذیرہ غازی خان کے عنی سرور ملکان کے شاہ بمالحق کے مزاروں پر اپنی اسی سیلانی طبیعت کی بدولت حاضری دی۔ حق کی تلاش میں دلی بھی گئے اور معروف صوفیاء اور مشائخ کے آستانوں پر حاضری دی لیکن ان کی طبیعت تب بھی سیرنہ ہوئی اور انسوں نے کہہ اور مدینہ کا قصد کیا۔ اپنے تمام سفروں میں انسوں نے حقیقت اعلیٰ کی تلاش کی جسجو ترک نہ کی۔ بلا خیر روحانی صلاحیتیں اور قوتیں ان کا مقدار بہیں۔ اور انہیں لامحدود فطرت کے مقدس اور اعلیٰ ترین مدارج کا شعور حاصل ہوا۔

ان کی تمام نظمیں خداوند قدوس کی حمد و ثناء سے شروع ہوتی ہیں اور فطرت کی تعریف و توصیف کے بعد "سو" کے صن بیان پر ختم ہوتی ہیں۔ جسے وہ استعارے کے طور پر اپنا واحد مدعایاں کرتے ہیں۔ ان کی شاعری بلا امتیاز رنگ و نسل اعلیٰ و ادنیٰ سمجھی میں بے پناہ مقبول ہوئی ان کی شاعری میں مسئلہ محبت کی نہ مرنے والی ایک ایسی آگ روشن نظر آتی ہے۔ جو عامیانہ جذبات یا مصنوعی زبان کی محتاج نہیں۔ وہ بلوچوں کے لئے ان کے دل کی آواز اور ان کی روایات و اقدار کے امین نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام و خاص انہیں بلوچستان کی بلبل کا خطاب دیتے ہیں۔

لیموں کا پیڑ

میرا محبوب کوہ جاند راں پر اگے ہوئے لیموں کا ایک پیڑ ہے
 جو دشوار گزار گھائیوں اور چٹانوں کے سائے میں بڑھا ہے
 وہ ابر بھار کے خدو خال لئے ہوئے ہے
 ہوا کے خوشنگوار جھونکے کی طرح لرا تا ہے
 اس کی شاخیں زامر کے بیل کی طرح پھیلی ہوئی ہیں
 اور (اس کے) پتے محبوب کے چرے کی طرح طلائی لگتے ہیں
 اس کا انگ انگ پتلی کمر کی طرح ہے
 اور اعضا تنی آبدار کی طرح تند و تیز ہیں
 اس جو ہر دار تنی کی طرح جس کے مالک اسے بڑے حوصلے سے اٹھاتے ہیں
 تاکہ وہ یزیدوں سے نبرد آزمائوں

میکا سیل بادلوں کا ناخدا ہے
 بوندوں کی باغ اس کے ہاتھ میں ہے
 مہربان ہو تو پتمن پر میسندہ بر سائے
 جس سے آرزو مندوں کی آرزوئیں پوری ہوں
 دریا کے لہروں کی باغ کھلی چھوڑ دے
 تاکہ وہ ساون کے سیلاب کی طرح اٹھتا ہو آئے
 اور میرا محبوب نزہت گاہ شاہی میں پھول کی طرح کھل اٹھے
 پر اسرار طویلوں کی مانند سبز رنگ میں بے
 میرا محبوب آج ایک نئے انداز سے جلوہ افروز ہے
 اور مست کی یادوں میں ڈوبا ہوا ہے

تارعہ اور جلال دیکھ کر
 دل پر جلیل و قہار خدا کا خوف طاری ہو جاتا ہے
 کچھ تو (اپنے اعمال کے باعث) ازل ہی سے گرفت میں ہیں
 جبکہ کچھ تیری رحمتوں سے فیضیاب ہیں
 میرے اور میرے محبوب کے درمیان ایک باریک پرده حائل ہے
 آنکھیں فرط محبت سے اشکبار رہتی ہیں
 میری تمنا ہے کہ مجھے دیدار حق کا پاکیزہ شریت مل جائے
 وہ شریت جس سے دور گنوں کے شیشے لبریز ہوں
 وہ (شریت) جو شاہ (مردان) کے دونوں بیٹوں نے نوش فرمایا
 پتلے کاغذی ہونٹوں سے ایک جام کی آرزو ہے

راہ خدا میں ایک جام
 دیوانے کی نیت کا ایک جام
 تاکہ یہ ناؤ نوش ہمارے دروازہ دل پر دستک دے
 گھنوں میں ملبوس و مزمن محبوبہ کی چھپر تلے منتظر ہوں
 حضرت لال (شہباز قلندر) کے روضہ پر حاضری دیتا ہوں

قائم قدیم ذات

ہر کوئی فانی ہے صرف اسی کی ذات کو بقا ہے
 جب کوئی خود کافی ہو تو کسی اور کو کیا خاطر میں لائے
 میں محبوب (رسول پاک) کی نورانی چادر کی پناہ میں ہوں
 اپنی میرانی اور نظر نیک کی رحمت سے توجہ فرما
 تو لاشریک اور پاک ہے بے پناہ گناہوں کا نظر انداز کرنے والا
 تیری قدرت کامل ہر شے کو محیط ہے
 ایسا بادشاہ جو رفتہ پناہ بلند اور بے مثل ہے
 تو ہی ہر حال میں میرا مالک اور وارث ہے
 میری سفارش تو ہی ہے جو بے نواوں کا بھی پروردگار ہے

خطا کی بنیاد جد (حضرت آدم علیہ السلام) سے پڑی ہے
 اگرچہ مقدر جوچ کا تھا حق تعالیٰ کی بارگاہ سے
 میں اس روز کے لئے احسان مند (اور مرح جواں) ہو
 کہ تو نے شاہ (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کو مسراج پر بلایا
 دو طرح کے فرشتوں کا نزول ہوا تھا
 اپنے پیارے گوپیگام پہنچایا

(عوچ کے موقع پر) یوں لگتا تھا کہ تو انابیلوں کے ز پھرے جتھے ہوئے ہیں
 یا پھر تو مند اور بے پروا، جوان اونٹوں کی رفتار تھی
 ایسے قوی، لاطع اور درمند مرکب تھے
 تیز رفتار کشی کی طرح (ہوا میں تیرتی ہوئی)
 چشم زدن میں منزلوں پر منزلیں طے کیں اور ملکوں کے حدود سے گزرے
 اور باغ ارم میں ساکن ہوئے
 بارگاہ رحمت سے کچھ بخشش لائے
 اور اس لال کے پین پر لال کر پھاوار کر ڈالی
 مست اس کیفیت کے شوق میں بد مست ہے

روح سے اس کرم کی لہریں بڑھ بڑھ کر نکلا رہی ہیں
 عرش، کرسی اور اکبری عنایات کی خبر لارہی ہیں
 ایسے میں ایک سن رسیدہ بزرگ سے مدھیز ہوئی
 اداوں کا شرابدالوں کا مسکن ہے
 ہماری جنگ تاملان حسین علیہ السلام سے ہے
 ہم حضرت امام جیمن علیہ السلام کے گروہ سے ہیں
 مست محبوب کے پیاروں کے ساتھ ہے

شہاد (مردانہ) کے کاروان اور تنخ ہائے آبدار
حضرت کاروئے مبارک اور سحری داڑھی
شہاد (مردانہ) کے دونوں حسین رخسار
معطر دستار اور خود مبارک

زامرس جبہ دستار کو تہہ بد تہہ کے ہوئے
پھولوں بھری ڈھال آپ کے سر پر سایہ فلن رکھوں گا
اور یزید کی کثار رد کر دوں گا (سے بچاؤں گا)
محبوب کے ساتھ مل کر جھولا جھولوں گا
دولما کے ساتھ خوش دل سے مل بیٹھوں گا

اے محبوب مجھے تمہاری خوشنودی اور رضادار کا رہے
اس جہان (فانی) کی دادو دہش اور حرص سے غرض نہیں
جہان فانی کی چار روزہ عالمی زندگی اور بیٹوں کے بکھیرے در کار نہیں
 بلاشبہ جو اس مردوہ ہیں جو صداقت پر قائم ہیں
وہ حق تعالیٰ کی حمد و ستائش کرتے ہیں
اپنے پروردگار کے احکامات کی اطاعت اور صناعی میں محو ہیں
اس کریم اور رزاق کی نعمتوں کے شکر گزار ہیں
اس ذات پاک کے اعلیٰ و شیرس تحفوں پر نظر رکھتے ہیں
ان مبارک و نجتے باغات شاہی کے طالب ہیں جو ثیرات سے لدے ہوئے ہیں

سب سے اعلیٰ بادشاہی کا مظاہرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 (وہ بادشاہی) محبت کے رشتہ پر استوار تھی
 (شاہ مردان) کے لئے نصرت الٰہی ہے
 آپ ہمیشہ مسرورو مطمئن رہے
 چودھویں کے چاند کی چمک اور چاندی جیسا شفاف چہرہ
 بہادروں کو پچھاڑنے میں آپ کی شریت تھی

جو اندروں کی شان و شوکت ہمیشہ قائم ہے
 یا اعلیٰ کا نام و روز بان ہے
 جو مشکلوں میں المدام دشگیری فرماتے ہیں
 آپ پر افکار عالیہ کا الہام ہوتا ہے جو وسوسوں کو قطع کرتا ہے
 پر رونق دہلی سے خراسان تک
 دو قلندر بفرمان خداوندی متعین ہیں
 دونوں ہی حضرت علیؑ سے محبت رکھتے ہیں

مست کا مسکن کوہ سلیمان میں ہے
 اور اس کی توجہ میں حیدری محبت و مسلک کا رفرما ہیں
 مشہور علاقوں اور شریوں کی سیاحت کرتا ہے
 اس کے نزدیک سردار اپنے عوام کے لئے نہایت مفید ہیں

خداوند تعالیٰ کی قدرت اور صنایعی کے صدقے
 میں نے دھوں اڑاتی شور مچاتی ایک چیز (ریل) دیکھی
 یہ بھی بادشاہوں کا ایک کارنامہ ہی ہے
 عقل و حکمت کے کیسے کیسے سامان ایجاد ہوئے ہیں
 چمنیوں سے دھو میں کے بادل اٹھ رہے ہیں
 رفتار ایسی تیز گویا پر لگے ہیں
 کالی بھینگ عورتوں کی طرح اودھم مچاتی آتی ہے
 مجھے حکمت اور بزرگی کے زور سے اسے دھکا دے کر
 اپنے شاہانہ سر سے ٹالنا ہے
 یہ برسات میں چڑھنے والے سیلاں عظیم کی مانند ہے
 پر جوش کڑکتے بادلوں کی طرح آتی ہے

جب میں سہوان پہنچا
 اس بزرگ ہستی کے دربار میں
 اس بزرگ کے جھنڈے اور لہراتے علم دیکھے
 دربار جس میں دو سرو والے اڑدھا ہیں
 وہ بزرگ چاریاروں (خلفائے راشدین) کا مقرب ہے
 یا رانی جگہ سے تب ہی جدا ہوتے ہیں
 جب کیف و خمار سے آنکھوں میں سرخ ڈورے لہرائیں

اثبات راہ حق میں ہے
مجھ کو وہ چیزیں عطا کیجئے جن پر میں فریفہت ہوں
جنت میں باغات کے پھل تیار ہیں اور ہر قسم کا پھل میر ہے
دولہا اور دلہن کے ملاقات کی گھڑی ہے
حضرت علیؑ کی شجاعت کا شرہ ہے
امت کے والی (آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہی ارشاد ہے
خدا کی زمین ہماری ہے جو مالک کا عطیہ ہے
ست تو کلی عاشق صادق کی بھی یہی صدای ہے
ابنیں سے ہماری ہیشہ سے جنگ ہے
و ستار نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لاکھوں مرتبہ مبارک ہو

حمد رب جلیل

وحدت و یکتاً خدا تعالیٰ کی ذات کو نیبا ہے
وہ ایک ایسا بادشاہ ہے جو پاک ہے
اگر اظہار قبر اتر آئے تو اس کی سطوت بے پناہ ہے
رحمتوں پر مائل ہو تو نہایت میریان اور رحم والا ہے

قبر اور رحمتوں پر قدرت رکھنے والے ستار
میرا مدعای تیرا جلوہ تباہ ہے
مجھے قیامت کے دن اپنے دیدار سے بہرہ دو فرما
میں بھی مجنوں کی طرح جنوں سامان ہوں
میرا پیکر گناہوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے
تاہم اپنے رب کی رحمتوں کا امیدوار ہوں

دل میں تیری ہی دید کا اشتیاق ہے
پل صراط جو باریک اور پر خطر راستہ (تار) ہے
میرے ناتواں وجود کو تیرا ہی آسرا ہے
سو لاکھ پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں لیکن
دونوں جہانوں کی بخشش کا وعدہ صرف ایک ہے ہے
بہت سے اس کا دست راست تھا میں ہوئے ہوں گے

واردات عشق

اے کہ تو کریم اور سخنی پیدا کرنے والا مالک اور ستارا العیوب ہے
 اپنی رحمتوں کی درگاہ سے دلوں میں محبت بھر دے
 ہستی کا راز نہفتہ یہ پر اسرار جاندار (یعنی روح ہے)
 اگرچہ مجسم نہیں مگر مظہر حیات ہے

حق تبارک و تعالیٰ کا دیدار پاک اور حقیقی تھا
 بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادق و شیرانہ اقوال کے مالک ہیں
 ان کے سر بر نبوت کا طلائی تاج ہے اور ان کے سخاوت کی حد نہیں

میں کہاں میں مقیم تھا جو خوشحال تھا
 مستی، خوشحالی اور سکھ چین کے دن تھے
 گویا عمر جام کا دور لوث آیا تھا
 اس دور کے امیر اور سر کردارہ سیر چشم تھے

میں گھوم پھر کر ماؤند کا علاقہ دیکھتا
 تھہڈی پہاڑ کی حسین سیر گاہیں
 منجھراندی پوادی قبلیے کی حدود میں (ہستی) تھی
 تب خدا کا کرنا ایسا ہوا

کوہ درا بھانی پر موسلا دھار بارش برسی
رعد کی گرج اور بادلوں کی گزگز اہٹ ہوئی
بارش سے بچنے کے لئے میں اوٹ کی تلاش میں تھا
دور ایک بستی کے چند گھنے نظر آئے
سوچا، چلواس خیسے کی اور جو حوروں کا مسکن ہے
ماکہ، ہتھیار بھیگنے سے محفوظ رہیں

بادلوں کا شور تھا جیسے شادی کے موقع پر رقص ہو رہا ہو
طوفان بادو باران نے خیسے کی بازو والی لکڑی گردی
جلد ہی خیسے کو سارا دینے والا اگلا محبہ بھی زد میں آگیا

ہوا اور تیز بوندوں نے اس (سمو) کی اوڑھنی اڑاڑا لی
سینے کے پھولوں نے (میری) روح میں ہچل مجاوی
میری آنکھوں نے ایسا منظر دیکھا
جیسے رمز آشنا نگاہیں چار ہوں

چھرہ تھا کہ چراغوں کی طرح فروزان
 زلفیں سانپ کی مانند لہراتی ہوئی
 وہ آہوئے صحرائی طرح رمیدہ خو
 تنے براں جیسی تیز و تند

مجھ پر جنونی کیفیت سے لرزہ طاری ہوا
 اس کی مخمور آنکھیں شرربار تھیں
 بے قرار عاشقون کا دل جلانے کے لئے
 وہ بہشت کے لیموں کی طرح خوش ذائقہ
 مکران کے آم اور انگوروں کی طرح لزیز

میرا دل اسی روز سے جنون آشنا ہوا
 ہر چیز سے بیزار اسی کی دی ہوئی مد ہوشی میں بتلا
 سرمای کی طویل راتیں تعب آزار میں بیٹھے بیٹھے صبح کرنے لگا
 نہ معلوم کتنی ایسی راتیں مسلسل جاگ کر سحر کیں

حضرت علیؑ کو آنکھوں میں بسانا چاہئے
میں نے آپؐ کی خوشنودی کے لئے رنگ کردہ روٹ سے بھیزیں چھانٹ لیں۔
اور صدقہ دینے میں چھرے نے دل کھول کر کام کیا
یہ ساری خیرات اور تمام صدقہ درگاہ میں مقبول ہوا ہے تو
ہمیں اگلی منزل (اگلے جہان) میں کام آئے

کچھ روز اسی طرح گزرے
جسم کا ملبوس اتار دیا (تیتی پوشک ترک کر دی)
میرا پروردگار جو کچھ کرتا ہے بھلا کرتا ہے
حضور مکا صبر اور خلفائے راشدین کے کارنائے
میں نے بابرکت پہاڑ پر آ کر دیکھے (سمی، صفا و مروہ)
بابرکت پہاڑ پر میں نے قربانی دے کر سلام پیش کیا

کچھ اور دن اسی طرح گز رے
 ان دنوں میں امرا میں امتیاز کرنے والے نواب مرتضی خان کے ہاں ٹھرا ہوا تھا
 جو تمام زر کھانی (بگشی) قبیلے کا خان ہے
 اس عقائد اور دانا شخص پر پریشانی کبھی رخ نہ کرے
 جو مجھے اپنی جان کی طرح عزیز رہا
 حکم دینے والی البتہ حاکم مطلق کی ذات ہے
 اسی کے دیلے سے مجھے کچھی کی سیاحت کا موقع ملا
 شے کھیری کے باغات دیکھئے اور نندی تک گیا
 کوچہ و بازار کی حدود میں گھوما
 یہاں رندوں کا ایک متمول قبیلہ دیکھا
 سال بھر تک ان کے آب و دانہ میں شریک رہا

دونوں بندیوں کا سیلاب مل کر بہتارہا
 تاہم خدا نے مجھے مجاز کی اس حالت سے رہائی دی
 اور میں دنیاداری کے عیبوں سے محفوظ رہا
 (کیونکہ) میں نے پاؤں زینے پر رکھ لئے ہیں
 دونوں ہاتھوں سے کڑے پکڑ لئے ہیں

ضامن ہمیشہ وہ ہونا چاہئے جو صحیح ہو
ان چیزوں کی آرزو کیجئے جو کسی نے نہ دیکھی ہوں
وہ جو زیتون کے پھلوں کی طرح سرخ ہیں
جو بہشت کے رنگیں محلات سے لائی گئی ہیں
وہ جو نیم سحر کے سنگھار کی طرح دلکش ہیں
گوکہ میں وصل میں بھی بھراں نصیب ہوں

سوار وہ ہے جو ہمیشہ سوار ہے
اقوال حیدری سے پوری طرح باخبر ہے
جس کا پیانہ عظمت طلائے کرامت سے بھر پور ہے
وہ سونا جو عرش کے فرشتے اس کے لئے فراہم کرتے ہیں
میں حضرت خواجہ خضر سے اپنی امیدیں جوڑتا ہوں
جو اس راز کو نہیں سمجھتے وہ بے خبری میں اجازت میں دوڑ لگاتے ہیں

بلوچ میں بارکت قبیلہ

سمو

سمو، کوہ زین پر پیچل کا ایک پیڑ ہے
 سمو، درختوں کا پھل ہے
 سمو، مئے ناب کا ایک سبو ہے
 سمو، ایک غزال کستانی ہے
 سمو، انار کا کھلا ہوا پھول ہے

سمو، اندریوں میں ایک روشن دیا ہے
 یا بارشوں کے نتیجے میں اگنے والی بوٹی
 سمو، چوڑے پتوں والا انجیر کا پیڑ ہے
 ایسا پیڑ جو دشوار گزار گھائیوں اور جھیلوں کے کنارے آتا ہے
 جس کا مقام پہاڑوں کی بلند چوٹیاں ہیں
 کسی ہوا کی یہ مجال نہیں کہ اس پیڑ کو ہلا سکے

جب وہ خون میں رپی ہوئی سرخ ڈروں والی آنکھیں اوپر اٹھاتی ہے
 تو پوں لگتا ہے جیسے ہلکے بادلوں میں بھلی کوند رہی ہے
 ریشمی ملبوس میں اس کا قد مرعنہ
 دور دیس سے آنے والے بادلوں کا روپ دھار لینا ہے
 اس کا سحری چڑھیں آنکھیں
 اور پتی کمر تک لانے گھنے گیسو
 تھغ آبدار کی مانند تندو تیز ہیں

میاں محمد بخش
(۱۸۲۶ء-۱۹۰۷ء)

مترجم
جیلانی کامران

میاں محمد بخش (۱۹۰۷ء۔ ۱۸۲۳ء)

راشد متن

میاں محمد بخش پنجاب میں عربی، فارسی روایت کے آخری معروف ترین صوفی شاعر تھے۔ ان کی ولادت ۱۸۲۳ء میں میرپور کے علاقہ کھڑی شریف میں ہوئی۔ انہوں نے اس علاقے کی مشور دینی درسگاہ سر شریف میں تعلیم حاصل کی۔ حافظ غلام حسین سے علم حدیث پڑھا، حافظ ناصر سے دینی علوم کے علاوہ شعر و ادب کے رموز سے بھی آشنای حاصل کی جلدی عربی اور فارسی زبانوں میں عبور حاصل کر لیا۔ اس کے بعد پنجاب بھر کا سفر کیا اور علماء اور مشائخ سے ملاقاتیں کیں واپس آکر ضلع میرپوری میں سائیں غلام محمد کے مرید ہوئے۔ ان کی دانست میں مرشد کامل کا اہم وصف تحفظ صاحب کرامات ہوتا ہی نہیں بلکہ حسن و اخلاق کی بلندی کو چھوٹا بھی ہے۔ میاں محمد بخش حاکمان وقت سے دور دور رہتے تھے۔ اکابرین کی سیرت نے ان کی زندگی میں روحانی انقلاب برباکر دیا تھا وہ موسمیت کے دوست رموز پر بھی ماہر انہے نظر رکھتے تھے۔ اسی لئے ان کی شاعری میں موسمیت بدرجہ اتم رجی ہوئی ہے۔ انہوں نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ انہوں نے جس عمد میں آنکھ کھولی، وہ بڑا پر آشوب دور تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی انگریزوں کا کشیر کو سکھ مہاراجہ کے حوالے کرنا، سکھوں کے پنجاب بھر میں مظالم اُنی کے دور میں ہوئے۔

ان کی شاعری، فکر اور مطالعے کے ڈانڈے قرآن و حدیث، فارسی شعراء عطار، روی، جامی کے علاوہ منسوب طلاح اور خواجہ حافظ سے لے کر پنجابی شعراء تک پھیلے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری میں تصوف کی ہندی اور ایرانی روایت کو جذب کر کے ذاتی اور اجتماعی سوز و گداز کے فیضان سے فکر انگیز اور دلکش پیرائے میں ڈھالا ہے۔ اور ابن عربی اور مولانا روم کی صوفیانہ روایت، پنجابی شاعری کی روایت کے اثر سے دو آتشہ ہو گئی ہے۔ ان کی تخلیق کردہ مشور داستان "سفر عشق" جو کہ قصہ سیف الملوك کے نام سے معروف ہے انہی افکار و بیانات کا پرتو نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری کی تین خصوصیات ہیں، 'سوز و گداز'، 'پندو نصائح' کے شانے کے بغیر لطیف پیرائیہ اظہار اور تسلیل انداز۔

ابن عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کی وہ ایسی تحریر کے موبید اور حایی ہیں جو ذرے میں جہاں حقیقی سے روشناس کر داتی ہے۔ انسان کو تعقیبات اور فخر و غرور سے بچاتی ہے اسی رویے نے ان کی شاعری میں گمراہی اور گیرانی پیدا کی ہے اور فکر کو وسیع اور ہمہ گیرتا ہے۔ انہوں نے خارجی احوال و کوائف کی ترجمانی کے علاوہ من کی دنیا کی سیاحت بھی کی ہے۔ خارجی اور داخلی زندگی ان کی شاعری میں الگ الگ نہیں بلکہ باہم مربوط نظر آتی ہیں۔ ان کے مطابق جیتے جی مر جانا اور مر کر بھی جیتے رہنا ہی فقر ہے۔ عمل پر بست زور دیتے ہیں کیونکہ عمل کے بغیر کوئی بھی کام پورا نہیں ہوتا ان کی تصنیف "قصہ سیف الملوك" کی ساری کی ساری فضاء عمل پر ہی قائم کی گئی ہے۔

میاں محمد بخش کا انتقال ۷ اکتوبر ۱۹۰۴ء میں ہوا۔

(1)

اے خدا! اپنی رحمت کی بارش برسا
اور سوکھے باغ کو ہریالی دے
اور میری آس امید کے
پودوں کو میوه دار کر دے!

ایسا شیریں پھل بخش
جس میں قدرت کی شیرنی ہو
جو اسے کھائے اس کا
کوئی روگ نہ رہے اور غم جاتا رہے
اس باغ کو ہمیشہ کی بھار عطا کر
اس پر کبھی خزاں نہ آئے
ہر کوئی اس کے فیض سے بسرہ ور ہو
اور ہر طلب گار اس کا پھل کھائے
اپنے عشق کا چراغ میرے دل میں
روشن کر
اور مری روح کو جلا بخش
کہ میرے دل کی تابندگی
چمار جانب پھیل جائے

میری سرشت کو رہائی دے
کہ مشک کی خوبیو ہر طرف پھیل
جائے

اور جو میرے لفظ نے معطر ہو
اور عشق کی لگن سے ہر ذہن با مراد
ہو!

بانوں میں بلبل پکار کرتی ہے
اور نندی نالوں میں پانی نغمہ سرا ہے
جنہوں نے ہمیں محبوب سے جدا ہائی دی
ہمارا صبران کی جان پر اترے!

(۲)

مگر نہ تو ببل ہمیشہ پکار کرتی ہے
 اور نہ بمار ہی کا عیش ہمیشہ رہتا ہے
 اور نہ حسن کا ساتھ ہمیشہ ہے
 نہ جوانی اور دوستوں کی صحبت باقی
 رہتی ہے

باغ گلزار اور بماریں
 دوستوں کے بغیر کس کام کی؟
 دوستوں کے بغیر اے محمد بخش
 کون غمزو اری کرتا ہے

بماروں کو یاد کرتے ہوئے
 ببل نے ہزارہا گیت کے
 کہ میں اپنے قفس بدن میں قید ہوئی
 اور اب گلزاروں سے کب ملنا ہو گا

باغ بہشت میں گلاب کے پھولوں پر
 نئی جوانی آئی ہے
 اگر میرا رب قفس کی قید سے رہائی

دے

تو محبوب سے ملاقات ہو

یاروں کے بغیر
باغ گلزار اور بھاریں بے کار ہیں
اگر دوست مل پائے ہجر دور ہو
تو میں اپنے پالنے والے کاشکر ادا کرتا
رہوں

بے پرواہی تیری منزل نہیں ہے
جو نفع سے موسوم ہے
بے نیازی کی بدولت دونوں جگ
بے قیمت ہو جاتے ہیں

وہاں سات بستے دریا ایک قطرہ ہیں
اور سات دوزخ محض چنگاری ہیں
اور آٹھوں بہشت وہاں گم ہو کر
بھار کا ایک پھول بنتے ہیں

جب لاکھوں نوری فرشتے
غم میں پروانوں کے مانند جل گئے
تب خاک کے بنے ہوئے آدم کے
قالب میں چراغ روشن ہوا

اس راستے پر سفر کر کے
کس مسافر نے آخر کا پتہ پایا
جو کوئی بھی اس در پر آتا ہے
اسے دنیا میں قرار نصیب نہیں ہوتا

رکنا تجھے واجب نہیں ہے
کہ چلنے ہی سے سفر کشنا ہے
تو نے ایک دشوار کام چنا ہے
جو علاج کے بغیر ہے

قسمت کا لکھا ہو کر رہتا ہے
اور اس سے خلاصی ممکن نہیں
بادشاہوں کو بھی یہ مصیبت گھیر لیتی ہے
ہم کس قطار شمار میں ہیں

بادشاہ نے خزانہ داروں کو
خزانے کے قفل کھولنے کا حکم دیا
اور اس صندوق کو لانے کے لئے کما
جو سلیمانی تھفہ میں شامل تھا

(۳)

شزادے سیف ملوک نے
 جب صندوق والی تصویر دیکھی
 آتش عشق نے اس پر غلبہ کیا
 اور دل تپش سے دہک گیا

 شزادی کے ساتھ ایک مرد کی تصویر
 تھی
 جو برابر میں بیٹھا تھا
 اس کے ہاتھ میں
 ایک بے حد خوبصورت جام میں لال
 شراب تھی

 اس تصویر کو دیکھ کر
 شزادے نے بخوبی جان لیا
 کہ یہ تصویر اسی کی ہے
 اور اس سے ہو بہو مشابہ ہے

 اس تصویر کو دیکھ کر
 شزادے کی طبیعت بے چین ہوئی
 وہ حسن کے جلوے کی تاب نہ سہہ
 سکا

 اور یوں محسوس ہوا کہ روح پرواز
 کرنے کو ہے

تصویر سے یہ معلوم نہ ہوا کہ وہ کون
ہے

کہاں سے ہے؟ اور کس ملک کی ہے
شاید کہ یہ شزادی پریوں کے
حسن ظن کی کوئی مورت ہو!

حالت عشق کا اپنے خیال میں
ذکر کرتے کرتے شزادہ سو گیا
اور دل میں محبوب کی چاہ
جدب و شوق میں اور بھی اضافہ کیا

خواب میں اس نے اسے دیکھا
جو تصویر میں تھی
اور جس کے حسن کا بیان
شرح و عالی اظہار سے بھی ممکن نہیں

ہے
تجھے اس رب کی قسم
جس نے تجھے حسن اور جو بن دیا ہے
کہ کون سا شر تیرا ہے؟
کون سی ولایت میں ہے اس کی نشانی
بتا دے!

صورت نے جواب میں کہا
کہ میں تیرا مطلب جان گئی ہوں
میں سرے شارستان میں رہتی ہوں
اور باغ ارم میں میرا قیام ہے

اگر تو مجھے اپنا محبوب سمجھتا ہے
اور میرا عشق تیرے دل میں آباد ہے
تو کبھی کسی اور کو میرے بجائے قبول
نہ کرنا

اور میرے لئے ثابت قدم رہنا
میں پری زاد اور تو آدم زاد ہے
مگر مقدر ہم دونوں کا ایک ہے
میں ہیشہ انتظار کروں گی تیرے جلدی
آنے کا

مجھے اس محبت میں نامراد نہ کرنا

اُس راہ پر اگلی منزل
وارتی توحید کی ہے
جہاں عابد اور معبود کا وصل ہے
اور نہ پیر اور مرید کی دوئی کا رنگ ہے

(۲)

جو کوئی دریائے وحدت میں

غوطہ زن نہیں ہوا

وہ آدم تو ہے نظر آتا ہے

لیکن وہ انسان نہیں کھلا سکتا

جو وحدت تک رسائی پاتے ہیں

وہ نیکی بدی کا ذکر نہیں کرتے

نیکی بدی کا ذکر توبہ تک ہے

جب ہم کشتوں میں ہوتے ہیں

اس شر وحدت سے بہت دور

باہر عقل سرگردان ہے

جسے یہ راز معلوم ہوا ہے

وہ ہر شے سے بے نیاز ہوا ہے

عقل اور فکر سے آزاد ہو کر

وہ دیوانہ وار رقص کرتا ہے

اور پوچھتا ہے کہ کیا خبر میں کون ہوں؟

اور میرا گھر کہاں ہے؟

جب وہ اپنے دل میں دیکھتا ہے
وہاں وہی دکھائی دیتا ہے
ہر جانب دیکھنے پر بھی یہی منظر ہے
اس میں کوئی فرق نہیں آتا

جب تو اپنے آپ میں گم ہو جائے
تو اپنی نشانی چھوڑ جا
اے محمد بخش! رمز توحید کو
زبانی بیان کرنا آسان نہیں ہے!

اے شخص! کبھی ہمت نہ ہار
 کہ کوئی تجھے نامرد کے
 جس کسی نے ہمت کر کے تلاش کی
 وہ پائے بغیر کبھی دنیا سے رخصت نہیں
 ہوا

جب تک امید قائم ہے
 تلاش جاری رکھ
 کہ اگر تو تلاش سے دستبردار ہوا
 تو اپنی ہی تفحیک کا سبب ہو گا

کسی لمحے کے لئے بھی ہمت نہ ہار
 کہ اک دن حالات ضرور بدلیں گے
 جو طالب تلاش رزق میں اترتا ہے
 وہ کاسہ بھر کر لوٹتا ہے

اگر مقصود یہی ہوتا
 کہ رنج سے خوشی ملے گی
 تو پھر کامیابی کی صورت میں
 دکھ کا کوئی باب یاد نہ رہتا

جس دل کے اندر
رتی برابر عشق کی چنگاری ہو گی
اس قصے کو پڑھ کر، خدا کی رضا سے
وہ شعلہ بن جائے گی

جب ہر کام مکمل ہوا
تو شنزادہ سفر کے لئے تیار ہوا
اور اپنی ماں سے آخری اجازت لینے
کے لئے
سیف طوک اس کے پاس حاضر ہوا

پرچمیوں کے سائے میں شزادہ
اپنے سفر پر گامزن ہوا
اور ملاجیوں نے اپنی کشتیوں کے
بادیاں کھول دیئے

بادل اور تند ہواوں نے ایسا غصب
وکھایا

کہ ایک لمحے کے لئے بھی کم نہ ہوا
اندھیرا، دھند اور غبار اتنا گمرا تھا
کہ اپنا آپ بھی وکھائی نہ دیتا تھا

ایک دوسرے سے نکرا نکرا کر
بیڑے ٹوٹ کر بکھر گئے
کچھ غرق ہوئے

کچھ چھوٹے بڑے تختوں کی صورت
میں بننے لگے

خدا نے شزادے کو سلامت رکھا

اوزوہ اخبار ادنوں تک

اس قیامت خیز طوفان میں بہتا رہا

آخر کاروہ ایک جزیرے سے جا ملا
جو بہت خوشی آئند جزیرہ تھا
جس میں رنگارنگ کے پھل پھول تھے
کہ جن کا شمار بھی ممکن نہیں

وہ کئی روز چلتا رہا اور ایک لمحہ کو بھی
اس نے آرام نہ کیا
یہاں تک کہ ایسے مقام تک آپنچا
جہاں آدم کے قدم بھی نہ پہنچ پائے
تھے

بھوک کی شدت سے
جہاں لوگ پھل پر گزارا کرتے تھے
اور غیب سے بندروں کی فوج
چار سو گزر کرتی تھی

وہاں شزرادہ قیدی ہوا
اور کچھ بھی اس کے بس میں نہ تھا
بندروں کو تھس نہ کرنا بھی آسان
نہ تھا
کہ رہائی پا سکتا

بندروں کی فوج نے
شہزادے کو گھیر لیا اور اسے
وہ ایک قلعے میں لے گئے
دل میں شہزادہ رب کو یاد کرتا رہا

(۷)

اس قلعے کے بے شمار برج تھے
اور دیواریں اور چھت پختہ اور مضبوط
تھے

اس کے اندر ایک محل تھا
جس میں سدا بہار باغات تھے
اس محل کے چھت، منڈیر اور شاہ
نشین

موتیوں سے مزین تھیں
جن کی چمک سے ہر جانب نور کی سی
روشنی دیئے
کی لو بن کر روشن تھی

جب شرزادہ وہاں پہنچا
اس نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا
اس محل کے صحن خوب تر صفائی
والے تھے

جن میں تخت شاہی تھا

اس تخت پر
ایک جوان رعناء بیٹھا تھا
جس کی صورت بے حد پیاری تھی
اور بیٹھنے کا انداز بھی دلکش تھا

اس کے کالے بال گھنگھریا لے تھے
اور داڑھی کے بال گلزار کا سبزہ تھے
اس کا چہرہ انار کی طرح سرخ تھا
اور آنکھیں چراغ کی طرح روشن
تھیں

اس شہزادے نے سیف ملوک پر
بڑی نوازش کی اور
اسے تخت پر
دوستانہ نیت کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا
اس شہزادے نے سیف ملوک سے کہا
اے بھائی سن
میں بھی تیری طرح دکھیا ہوں
اور اسی لئے مجھے تیرے ساتھ مردت
بھی ہے

بندروں کی قوم کے درمیان میں
آدم زاد دن گزار رہا ہوں
مجھے یہاں کچھ بھی چین نہیں ہے
میں اپنا احوال کے کہوں؟

مجھے بھی سبب کر کے
اپنی جنس کا شنزادہ ملا ہے
اور اب کچھ دن اپنا دکھ بانٹ سکوں گا
کہ آخر تو مجھڑنا ہی اپنی تقدیر ہے

(۸)

اس علاقے کے سارے بندر
میری اطاعت میں ہیں
اور انہوں نے مجھے
اپنا سردار بنار کھا ہے
جو کچھ اس پر گزری
اس نے ذرہ ذرہ بیان کیا
اور ہر لفظ پر اس کی آنکھوں سے
بے ساختہ آنسو نکلتے رہے جیسے ساون
کی جھڑی ہو

میرا نام شہزادہ فیروز ہے
اور اپنے والدین کا منتظر نظر ہوں
میں سیر، شکار کا عادی تھا
اور ہمیشہ ویرانوں اور جنگلوں میں
گھومتا تھا

شہزادہ فیروز نے سیف ملوک کو
آنسوں کے ساتھ وداع کیا
اور کہا کہ جب رب دوبارہ ملنے کی
سبیل کرے گا پھر میں گے

اس نے سیف ملوک کو
خدا کے حوالے کر کے اسے تاکید کی
کہ جس راہ پر بندر اس کی رہبری
کرے
وہی رستہ اختیار کرنا
بندوں کی سرحد کے پرے
جب تیرا گزر ہو گا
تو گکاروں کا شر آئے گا
اور گکار آس پاس ظاہر ہوں گے
انہوں نے شزادے اور اس کے
ساتھیوں کو گرفتار کر لیا
یہ بھوک اور پیاس سے بے حال تھے
اور زنگی تعداد میں بمت تھے
زنگی شزادی اک غبی عشق میں
بے چین ہوئی
اور سچ پر کروٹیں بدلتے بدلتے
بے قرار ہوتی گئی

دوس دن اور دس رات سیف ملوک
پانی میں بہتا گیا
اور آخر کنارے جاگا
جهاں کوہ قاف آسمان کی سی بلندی
کی طرح بلند ہے

(۹)

دوسرے دن جب روشنی پھیلی
تو اسے ایک ندی دکھائی دی
اوپنے درخت سنہری رنگت کے نظر

پڑے

اور زمیں جھملاتے ہوئے دکھائی دی

اس ندی کے اندر سیف ملوک نے
سر اور دھڑ بستے ہوئے پائے
اور ان میں اسے اپنے کنی پرانے
یار دوستوں کے بدن بھی دکھائی دیئے

اس جنگل میں
کتنے ہی روز وہ چلتا رہا
اور آخر ایک روز صح سویرے اسے
دور سے کسی شر کے در و بام دکھائی
دیئے

چلتے چلتے

وہ دروازے تک پہنچ گیا
اور اس نے ایک بڑا شر دیکھا
جس میں ہر جانب باغ باغیچے تھے

اس کے بعد وادی حیرت کی
منزل سامنے آتی ہے
جان نہ تو افسوس باقی رہتا ہے نہ درد
اور نہ خوشی نہ شادمانی گزر کرتے ہیں

جب کوئی مرد
اس عالم حیرت میں جا پہنچتا ہے
وہ تحریر میں گم ہو جاتا ہے
اور اپنے آپ کو بھی نہیں پاسکتا

(۱۰)

اگر کوئی اس سے پوچھے
کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے؟
کیا تو باطن میں ہے یا ظاہر میں ہے؟
یہاں ہے یا کہیں اور ہے؟

کیا تو فانی ہے یا باقی رہنے والوں میں
ہے؟

یا تو امردوئی کا اظہار ہے؟
ہمیں کچھ تو بتا دے
کہ تیرا حال ایسا کیوں ہوا ہے؟

کہا کہ مجھے اصل حالات کی کوئی خبر
نہیں ہے

کہ میں بیٹھا ہوا ہوں یا کھڑا ہوں
جانتا ضرور ہوں کہ میں عاشق ہوں
مگر کس پر عاشق ہوں اس کی خبر نہیں
ہے

حیرت اور سرگردانی کا سلسلہ ہے
آگے بڑھنے کا رستہ معلوم نہیں
اس شر کے دروازے پوشیدہ ہیں
کہاں داخل ہوں اور کہاں سے باہر
آئیں؟

اے چاند! طلوع ہو
اور ہجر کی کالی رات کو روشن کر دے
اور

اس کے حسن کمال کی شمع کو
میرے خانہ دل میں روشن کر دے

اس محبوب کے دروازے پر
حور اور فرشتے بھی پر نہیں مار سکتے
ہماری کہاں مجال کہ ہماری طرح کے
مفلس

وہاں سلام بجا لائیں!

اس کے حسن کے بغیر
کوئی اور خیال میرے دل میں نہیں

ہے
کہ اس کی زلف نے روز اzel سے
میرے دل کو باندھ رکھا ہے

اس خوبصورت چہرے کے دیدار سے
مجھے منع نہ کرا
کہ ایسی عادت پیدا ہوتے ہی
میری سر شست میں شامل کی گئی تھی

تیرے دیکھے بغیر اے میرے محبوب!
خوابوں میں بھی خوشی نہیں ملتی
اپنا چراوکھا دیری مت کرا
ایک بار خدا تعالیٰ میں چراوکھا!

اپنے حسن کے غور میں مجھے
گلاب کے پھول کی طرح مطعون ن
کرا

لیکن یہ بات ببل سے ضرور پوچھ
جو تیرے لئے دیوانی ہوئی ہے!

سیف ملوک ایک دن
اجاڑویرانے میں جا پنچا
جمان نہ تو کوئی شکار تھا نہ پانی
صرف خدا کی ذات چهار جانب تھی
نہ کوئی ٹھنڈی چھاؤں نہ سایہ
بقر کی دھپ جلائے رکھتی تھی
اور پانی کے بغیر
جگر کا لبو بھی جل چکا تھا

اس ویرانے میں سیف ملوک
غم سے نڈھاں ہوا
اور تھکن، واماندگی اور بھوک پیاس
سے بے حال ہو گیا

عقل نے شزادے کو تنبیہ کی
کہ وہ حوصلہ نہ ہارے
کہ جن کی محبت خاص ہے
وہ آخری سانس تک بے امید نہیں
ہوتے

نفس کہے کہ تو بے تاب ہوا تھا
اب اور کب تک برواشت کرے گا؟
کتنی مصیبیں برواشت کی ہیں
اور آخر محبوب کے بغیر ہی موت نے
آنا ہے

نفس کہے کہ فرہاد نے
خود کو تیشہ سے ہلاک کیا
اور یوں بے مراد ختم ہوا
مجھے بھی ایسا ہی اندیشہ لاحق ہے

عقل اور نفس کے اس معاملے کو
عشق نے مداخلت کر کے ختم کیا
اور سیف ملوک کو
فیصلے سے آگاہ کیا

سیف ملوک نے کہاے رب!
اگر تری رضا میں وصل محبوب ہے
تو اس وقت مجھے
کسی کے ذریعے ٹھنڈا پانی پلا!

ایسی فال کو خدا کے سپرد کر کے
شہزادہ مطمئن ہوا

اور خود جھاڑیوں کو سرہانہ بنانے کر
زمیں پر لیٹ گیا

آنکھوں کے سو جانے سے دل جاگ
اٹھا

اور بخت بیدار ہوئے
اور ان کے ساتھ ساتھ
ایک نیبی شخص بھی اس کے سرہانے
ظاہر ہوا

وہ غیبی شخص انسان کے روپ میں
تھا نورانی رنگ

اس کے سر پر بھاری طوٹی
رنگ بزرگ ستار تھی

اس غیبی شخص کی صورت و سیرت خضر
کی تھی

اور چہرہ سورج کی طرح دکھتا تھا
اس کے بالوں کی خوبیوں کے جھونکے
چہار جانب پھیلے ہوئے تھے

۵
اس کے ہاتھ میں فیروزہ رنگ عصا تھا
اور ساری پوشاک سفید تھی
وہ مظہر نور الہی دکھائی دیتا تھا
جس کا جسم اور لباس دونوں پاک
صف تھے

اس کے دوسرے ہاتھ میں
ٹھنڈے پانی سے لبالب پیالہ تھا
جو حوض کوثر کے چشمے کا پانی تھا
اور پیالے کے کناروں سے بہہ رہا تھا

اپنی میٹھی آواز میں
اس نے شزادے سے کہا
بیدار ہو! اے عشق میں ثابت قدم
انسان!

تیرے لئے مجھے ربِ کرم نے
اس دیرانے میں بھیجا ہے
میرے آنے کا کوئی اور مطلب نہیں
ہے
اور نہ میں نے کسی اور جانا ہے
اس کے ساتھ ہی فرشتہ شزادے کو
تھنا چھوڑ کر غائب ہوا
اور شزادہ خوشی کی راہ پر گامزن ہوا
اور ساری ابتلاء میں تمام ہو میں

(۱۲)

اس نے قلعے کے صحن میں
ایک عجیب باغ اور عمارت دیکھی
جو جنت کی طرح
بے حد خوبصورت تھی

اس میں نہ کوئی آدم زاد تھا
نہ کیڑا، نہ کمھی، نہ کوا، نہ کتا
معلوم نہیں یہ کیا طسم تھا
کہ کچھ پتہ نہیں ملتا تھا

اس باغ کی عمارت کے طاق
کاچ اور سونے کے تھے
اور لاجور دی رنگ کے
آسمانی نقش و نگار تھے
قتم قتم کے کھانے
دکانوں پر دھرے تھے
جو نہ تو بنت گرم تھے نہ بہت ٹھنڈے
اور نرم ایسے جیسے کہ پٹ سن ہو!

سیف ملوک نے اس عالی شان عمارت
میں

پنجروں میں قید پرندے دیکھے
اور پنجھرے لعل و جواہر سے مزین تھے

یہ سب پرندے مختلف آوازوں اور
بولیوں

میں پکار کر رہے تھے
کسی کی کوک بلند آواز میں تھی
اور کسی کی صد اکم سنائی دیتی تھی

بلبل بھاریاد کر کے
فریاد کرتی ہے
کہ میں پنجھرے میں قید ہوں
کب گلزاروں سے دوبارہ ملوں گی

قمری کو کوکتے شکایت کرے
کہ باغ بہشت میں سرو کے پیڑوں کی
فرقت میں اس کا حال بے حال ہے

مینا کے کہ میں بد نصیب
اپنی ماں کے گھر پیدا نہ ہوتی
کہ ابھی میں نے چمن کی دل کھول کر
سیر بھی نہ کی تھی کہ پنجھے میں پکڑی
گئی

فاختہ پکار کرے کہ مجھے
امر کی چھری نے زخمی کیا ہے
مجھے یہ نہیں بتایا کہ یوسف کنویں میں
کیوں گرا؟

لیکن صدا و فنا میرے سپرد کی گئی
کو نجیں غم کی صدا بلند کریں کہ
بچے دور پر دلیں میں ہیں
اور ہم یہاں پنجھے میں قید ہیں

کوئی کے کہ اگر میں
آج اپنے چمن میں ہوتی
تو سبزہ دیکھ کر میرا دل شنگفتہ ہو جاتا
اور میں دل کو بھانے والے گیت سناتی

شاہزادے کو دیکھ کر
پرندے خوش خوش چکنے لگے
اور آپس میں کہنے لگے
کہ اچھا زمانہ لوٹ آیا ہے

خدا نے ہماری رستگاری کو
آزادی دلانے والا شخص بھیجا ہے
اس کے بغیر اور کوئی نہیں ہے
جود شمن کو ہلاک کرے!

پرندے روح، پنجرہ جسم
اور عمارت دنیا ہے
باغ جنت ہے اور شاہزادہ
یار بے مثال کا عکس ہے

(۱۳)

اے لڑکی! جب تک روشنی رہے
پانی بھرتی جا
کہ شام آتے ہی، اور ساتھی کے بغیر
تجھے گھر جاتے ہوئے ڈر آئے گا
وہ شمن کے مرنے پر خوشی نہ کر
کہ تیرے اپنے پیاروں نے بھی کوچ
کرنا ہے

۵
سورج عصر کے مقام تک آپنچا ہے
اور بالآخر سے ڈوینا ہے

مالی کام صرف پانی دینا ہے

اور وہ پانی دیتا رہے گا

پھل پھول لانا اللہ کا کام ہے

وہ چاہے ایسا ہو یا ایسا نہ ہو!

اس اوپنچے مقام سے میں نے محبت کی

ہے

اور کڑا غم مول لیا ہے

اے محمد بخش! دوستوں کے بغیر ایسا

کون ہے

جو میرے غم میں شریک ہو!

(۱۳)

میں پریزا او ر تو آدم زاد ہے
دونوں کے ذر میان نسبت کماں نہ سری
ہے

پرانے وقتوں سے ان کے مابین
رشتہ داری بھی نہیں ہے

جو رشتہ پہلے وقتوں میں نہیں ہوئے
آج کیسے روا ہو سکتے ہیں
اپنے قبیلے برادری کے باہر ناطہ داری
ممکن
نہیں خواہ کوئی کتنی ہی خواہش کیوں
نہ کرے!

(۱۵)

کہ اچانک آندھی کے آجائے سے
خوشی کی شمع بجھ جاتی ہے
دل کے باغات کے دروازے اڑ جاتے

ہیں
اور ہجر کی خزان چھا جاتی ہے
امیدوں کی ہری بھری شانحیں
ٹوٹ جاتی ہیں
اور خوشیوں کی شنیاں
ٹوٹ کر زمیں پر بچھ جاتی ہیں

ہر طرح کی مرادوں
اور سکھ ساگ کے بعد
وہ من آسمان ایسا ہے
جو انسانوں کو خوش دیکھ نہیں سکتا!

موت کا فرشتہ خدا کا حکم لے کر
اس کے پاس پہنچا
سیف ملوک کلمہ عشق زبان پر لایا
اور جان دے دی!

۵

آسمان کی جانب پرواز کر گیا
اور بہشت کی خوشیوں میں جا اترنا

جو ملاح تھا وہ چلا گیا
اور نوئی ہوئی ناؤ پیچھے رہ گئی

بماروں کی بو باس
جنگل چھوڑ گئی
اور زندگی کی بلبل
اپنا پنجر پھوڑ کر جن کو اڑ گئی!

سیف ملوک اور پری دونوں ایک
دوسرے سے

اپنی محبت کے طفیل مل گئے
کہ جس شے کی تلاش کی جائے
وہ آخر کار ایک دن مل جاتی ہے

اللہ کا نام لے کر اس نے
بلوریں ساغر اپنے ہاتھ میں پکڑا
اور جو شے پی اس نے ایک نئی زندگی

دی
اور سستی جاتی رہی
تلاش کرنے والا کبھی بے مراد نہیں
رہتا

اگر اس کی تلاش برقی ہے
جو اپنی تلاش سے لوٹ آتا ہے
اس کی تلاش ناپختہ ہوتی ہے

اگر صورت کے اندر
دلوں کے مالک کا ظلمورنہ ہوتا
تو کون غیب سے دلوں کی رہبری کرتا
اور جسموں کا ملاب کرتا؟

یونہی مور اپنی موج میں بال
و پر پھیلاتا ہے
اور کلپنی کو اونچا کرتے ہوئے
پنجوں پر رقص کرتا ہے

ہائے افسوس
جو عشق کی تلاش میں رہے
اور وصل میں غم کو
فراموش کرنے کی آرزو کرتے رہے

(۱۷)

بدیع الجمال بے تاب ہو گئی
 اس نے ماتم کیا اور چوڑیاں توڑ ڈالیں
 اور ایسے صدمے سے ہلاکاں ہوئی
 جیسے کوئی نجیں کوکتی ہوں

وہ موت کے سفر پر
 اس قدر عجلت میں روانہ ہوا
 کہ میں سر کو اس کے قدموں پر رکھ
 کر

اس کی رکاب تک نہ چوم سکی!
 گریہ زاری میں رات دن گزارتے
 ہوئے

وہ دیوانوں کے مانند گری
 اور سیف ملوک کے در پر
 اپنی جان دے دی!

خوشبو نے آکر پیغام دیا
 کہ کھلے ہوئے گلاب بلا رہے ہیں
 اور بلبل مستی کے عالم میں
 پھولوں کی نیارت کو چمن کی جانب اڑ
 گئی

مجاز کے گلشن میں
شبہم کی پاکیزہ بوند
سورج کو دیکھ کر
ماں پرواز ہوئی اور
اس میں ازل کی
آرزو جاگ انھی!

خواجہ غلام فرید
(۱۸۳۱ء - ۱۹۰۱ء)

مترجم
ارشد ملتانی

خواجہ غلام فرید (۱۹۰۱ء-۱۸۳۱ء)

راشد متن

پنجاب میں صوفیانہ مسلمان ملک چشتیہ کے احیاء کا سر اخواج نور محمد مسعودی کے سر ہے۔ یہاں مٹھن کوٹ کے مرکز کے گمراں خواجہ محمد عاقل تھے جو خواجہ نور محمد مسعودی کے خلیفہ اور خواجہ غلام فرید کے جدا احمد تھے۔ خواجہ فرید ۱۸۳۱ء میں یہاں پیدا ہوئے۔ خواجہ فرید کے والد کو سجادہ نشینی کے بعد بہاول پور کے نواب سکھوں کے عمد حکومت میں مٹھن کوٹ سے اپنی ریاست میں لے آئے اور انہوں نے چاچان نامی گاؤں میں رہائش اختیار کر لی۔ خواجہ غلام فرید کے بڑے بھائی خواجہ غلام فخر الدین نے ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ باطنی علوم سے بھی بہرہ ور کیا۔ خواجہ غلام فرید اپنے اپنی برادر بزرگ کے مرید ہوئے اور عبادات اور ریاضتوں میں غرق ہو گئے۔ انھا میں برس کی عمر میں برادر و مرشد کے انتقال کے بعد صاحب سجادہ ہوئے مگر سجادگی کی ذمہ داریاں پوری کرنے کی بجائے گوشہ نشینی اختیار کرنے کو ترجیح دی اور زندگی نامی صحراء بیان کا رخ کیا اور کم و بیش اخخارہ برس تک بیانوں کو آباد کرتے رہے۔

وہ اپنی شاعری میں روہی کوہی اپنا محبوب گردانے ہیں۔ ان کا کلام عشق مجازی کے شدید تجربے کی دلالت کرتا ہے۔ ان کی کافیوں میں انسانی حوالوں کے ساتھ عشق کی درماندگیاں، 'بہر کا سوز'، 'صال کی آرزو'، 'انتظار کا کرب'، محبوب کی جفاء بے نیازی اور ستم پندی کے تذکرے جا بجا ملتے ہیں۔ لیکن اگر ان کے کلام کو بغور پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عشق محض عشق مجاز نہ تھا بلکہ اس نے اطلاق کا رنگ بھی اختیار کر لیا تھا۔ پوری کائنات اس میں سٹ آتی تھی اور اس نے ان کے حوالہ جاتی نظام کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔

عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی تک سڑاںوں نے فلسفہ وحدت الوجود کی مدد سے طے کیا تھا۔ محبوب کی جتو اور دوئی کو ختم کرنے کا شدید جذبہ اس فلسفے کے بنیادی اوصاف ہیں وہ اس فلسفہ کی بنیاد پر 'سلطانی'، 'حلان' اور این علی کے بے حد مدار تھے لیکن انہوں نے انسانی خودی کی نفی کو روحانی معراج قرار نہیں دیا۔ ان کے ہاں فرد کی آزادی اور خود اعتمادی برقرار رہتی ہے ان کے نزدیک یہ آدراش اس وقت حاصل ہوتا ہے جب خودی احکام حاصل کرتی ہے اور اپنی تکمیل کرتی ہے۔

بے معنویت کے احساس کی شدت بھی خواجہ فرید کو دنیا کی بے ثباتی، انسانی وجود کی لغویت اور موت کی بالادستی قبول کرنے پر مجبور کرتی ہے لہذا وہ باہو اور بھٹائی کی طرح رہبانیت پسند نہ ہوتے ہوئے بھی یہ درس دیتے ہیں کہ زندگی عارضی ہے، اس کے حاصلات بے معنی ہیں کایا بیان غیر اہم ہیں اور موت ہر شے کو مٹا دیتی ہے۔
خواجہ غلام فرید کی وفات ۱۹۰۱ء میں ہوئی۔

چور چکاری استغفار
بنخشنے مجھ کو رب غفار

گندی عادت گندے فعلوں کی
تو بہ توبہ لکھ لکھ دار

کر کر سخت گناہ پچھتاں
تو ہے میرا غشن ہار

پیر پنیم بر تیرے بازو
تو مالک تو کل مختار
مجھ بد عملی پر کر رحمت
جس دن ہو گا کوئی نہ یار

میں بے چاری بے بس بے دم
بد صورت اور بد کردار

تیری شان ہے فضل و کرم کی
مجھ میں جھوٹ اور عیب ہزار

آئے یاد گناہ پر اپنے آئے

بٹ بٹ روؤں زار و زار

قبر کی رات اور دن محشر کا

سر پر ٹوٹے بار و بار

میں مسکین "فرید" ہوں تیرا
تجھ بن کون اتارے پار

(۲)

جائیں گے سانچھ سویرے
خالی ہونگی جائیں

دو دن کا ہے سب کا ٹھکانہ
آخر کو اڑ جائیں

ملک بے گانہ دیں پر ایا
جھوٹی سب بنائیں

نا کوئی سنگی نہ کوئی ساتھی
کس کو درد سنائیں

قسمت سے یہ دھرتی دیکھی
آتا کون اتحائیں

حسن گنگر کو ہوا روانہ
یارب توڑ پہنچائیں

ماگوں دعا میں اللہ سائیں
وچھڑیا یار ملائیں

ہوئی تابع خلقت سب
 تو کیا ہو گیا
 تھا گم ہونا مطلب
 تو کیا ہو گیا

تیرے رشد وہ دایت بھی گرچہ
 جا پہنچے ملک عرب
 تو کیا ہو گیا

پڑھ کر وید، پران، صحائف
 گر سیکھا علم، ادب
 تو کیا ہو گیا

سارے جگ پر حکم چلایا
 پا شاہی کا منصب
 تو کیا ہو گیا

دنیا میں بھی عزت پائی
 عقبی میں بھی لذت
 تو کیا ہو گیا

اپنے قول افعال سے تو نے
گریار کو ڈھونڈ لیا ہے
تو کیا ہو گیا

شعر "فرید" ترا جا پہنچا
ہند، سندھ، دکھن، پورپ
تو کیا ہو گیا

(۲)

چھوڑ الفت غیر خدا کی
ہر شے وہم خیال

کیا لیلی کیا مجنوں
کیا سوہنی مہینوال
کیا رانجھن کیا کھیڑے
کیا ہے ہیر سیال
کیا سسی کیا پنوں
کیا ہے درد ملال

بے الفت احمد حقیقی
ہر شے عین زوال
کیا سیفل کیا پریاں
کیا ہے ہجر وصال

چج ہے ذات اللہ کی
بافی جھوٹ پلاں
دن ہیں چار بمار کے
پت بھڑ کا پھر سال

پاہر "فرید" کو بھولوں
مشکل تھض نال

(۵)

ہر چاہوت پنل ہے
صوئی! سب پچان

نہیں مثال جب اس کی کوئی
سب شے اس کو جان

وائم ذات خدا کی
باقی ہر شے فان

لامتحاج سوائے اللہ
ہے یہ فقر کی شان

ہر جا نور ظہور اسی کا
اپنا دین ایمان

حق کے بنا سب باطل
دھیاں رہیں ہر آن

علم "فرید" ہے حاجب
بے شک بنے عرفان

(۶)

کیسے فرد اور جزو کملاویں
تو کلی تو گل

باغ بہشت کا تو ہے مالک
خود بلبل خود گل

عرش بھی تیرا فرش بھی تیرا
تو دولت بے مل

چڑھ سوی منصور کے بھائی
کرتے ہیں سب غل

روح مثال شہادت تیری
سب پچان نہ بھل
دنیا، عقیٰ بربخ اندر
نہیں ہے تیرا تل

یار فرید! کون ہے تیرا
نہ بیسودہ رل

(۱) (تل برابر)

(۲) (آوارہ ہو)

جگ و ہم، خیال اور خواب ہے
سب صورت نقش بر آب ہے

گر پوچھو حال حقیقت
کچھ سوچ سمجھ رکھ عبرت
جیسے بحر محیط ہے وحدت
کل کثرت شکل حباب ہے

نہیں ہرگز اصل دوئی کا
دم نکل گیا ہے دوئی کا
خود جان ہے اصل دوئی کا
پھروہی وہ آب کا آب ہے

مت کافی جان "کفایہ"
مت ہادی سمجھ "ہدایہ"
کرپر زے جلد "وقایہ"
یہی دل ہی اصل کتاب ہے

ہے پریم گیان بھی دلڑی
ہے "وید" "پران" بھی دلڑی
ہے جان جہان بھی دلڑی
دل بطن بطن کا باب ہے

دل در ہے کون مکان کا
دل بنے اصل جہاں کا
دل مرکز زمیں زماں کا
باتی جھوٹ ہے اور حجاب ہے
یہ صورت میں ناسوتی
اور معنی دے ملکوتی
جبوتی ہے لاہوتی
دل اندر سب اسباب ہے

رکھ دل میں دھیان "فریدی"
اور چھوڑ دے پیر مریدی
ہے دوری سخت بعیدی
دل سکھ کے لئے بے تاب ہے

(۸)

زیور گئنے کیسے سجاوں
 اس نے کیا ہے نامنظر
 کیسے اپنی مانگ بناوں
 سچلا ڈالوں، سرخی لگاؤں
 ہے دلدار مرا اب دور

بیت پرانی پاگل کر گئی
 عشق آنوكھا نس پھیلا
 طرز نیاز ہماری فطرت
 اس کے قدم کی خاک ہے قبلہ
 حسن ازل کی چال غور

ساری سیلیاں سچ سجا میں
 پار کو اپنے گلے لگا میں
 اگ بیچاری میں مجبور

وادی ایکن تھل کے نظارے
 جہاں چلیں اونٹوں کی قطاریں
 پھر رہتے ہیں کوہ طور

”ملا“ مجھ کو سخت ستائیں
 میرے درد کا بھید نہ پائیں
 بے چارے بے بس، مجبور

ملاوں کے وعظ نہ بھائیں
بے شک اپنا ہے ایمان
”ابن العربي“ کا دستور

کہہ سجانی بن ”بسطامی“
عاشق نہستِ مدام ملائی
بول انداخت ہو ”منصور“!

حسن پرستی عین عبادت
شادہ پرستی صرف سعادت
نیابت، غفلتِ محض حضور

رست ”فرید“ کی الٹی ساری
بے یہ صوم صلوٰۃ تو عاری
رندی مشرب ہے مشہور

(۹)

ہجر میں ایسے جڑے
سارے دھنے چڑے

(چک گئے)

پیت کی چاشنی چھمی
بھول گئے سب دکھرے

(روکھے)

عشق کی رمز نہ جانیں
یہ ملوانے رکھرے

(ختم ہو گئے)

رب نے علم دیا ہے
شرع مسائل مکرے (ختم ہوئے)
ہمہ اوست کا سبق پڑھا
سب بھیرے جھگڑے مکرے

(بھوکے)

اس کی راہ چلوں گی
سر ہو جائے مکرے

محض "فید" نہیں کوئی حاجت
ہم ایک نظر کے بھڑے

ایک الف ہے بس او میاں جی

اور کھانی دل کونہ بھائے
الف گیا دل چھن او میاں جی

بے اور تے کی فکر نہیں ہے
الف کیا بے بس او میاں جی

رکھ دے فقة اصول کے مسئلے
سبق فراق کا بتا او میاں جی
ہجر کی چوٹ لگی گر تم کو
بچوں کو دیگا بتا او میاں جی

سبق فراق کا گرنہ رہا یا
جاوں گی پھر میں بھاگ او میاں جی

ہجر ہی سکھو ہجر پڑھاوا
ہے شابش شابش او میاں جی

جیتے جی اس کی ہی رہو گی
بھولی اور ہوس او میاں جی

منتر پڑھ کوئی پریت کا مجھ پر
ہٹ جائے یہ پرستی او میاں جی

الفت گھر کی "درکی" زر کی
رہی نہیں اک خس او میاں جی

را بخشن میرا میں را بخشن کی
کھیڑوں کے منہ خاک او میاں جی
چھوڑ نگر جاؤں گی جنگل
علم عمل بے شک کھو جاؤں میں
عشق پڑا کن رس او میاں جی

آخر عشق میں جان دے دو گی
مت جانیں کھیل ہی او میاں جی

عشق رانا پیش پڑا ہے
نہیں قلم اور روشنائی او میاں جی

اک دو دن کی نہیں میں اس کی
روز ازل سے تھی او میاں جی

عشق سے منہ "فرید" نہ موڑوں
روز نئی ہے لذت او میاں جی

(11)

عشق مرا انصاف طلب ہے

ظلم کے بعد بھی چاہوں تجھ کو
تجھے بھی ہیں تیری جانب
تیرے گرو طواف

تیری صورت سیرت پر میں
دل کو کروں نثار

میرے تین من کا تو مالک
کھا کر قسم کھوں

ہرجا تیرا روپ انوکھا
عبد ہو یا معبود

تیری کنیز "فرید" ہوں ہر دم
تو چاہے نہ چاہے

(۱۲)

یار کو کر مبجود
چھوڑ دے ہر مبجود

ہر صورت میں یار کو دیکھو!
غیر نہیں موجود

سب اعداد کو سمجھو واحد
کثرت ہے مفقود

پیارے "فخر الدین" کی خاطر
دم دم نکلے دو د

ملا وصالی "فرید" کو اس دم
جب ہو گیا وہ نابود

روتے عمر گنوائی
یار کی خبر نہ آئی

بھاگ ساگ سنگار بھلایا
دل سے بھلایا ماہی

دور گیا مژ کر نہیں آیا
مروں چمگی کھا کر پھاہی

عشق کے طالم شعلوں نے
دل میں آگ لکائی

جو بن کا ہر روپ گنوایا
پیارے فخر الدین کے عشقوں
دم دم پیڑ سوائی

یار "فرید" نہ آیا واپس
میں ہو گئی ختم اجائی

اس کے ناز اور نخے
دم دم کرتے جنگ
نیزے، تپر تنگ
قری ناز نظر کے

زلف ہے ناگ اور ابرو بچھو
ماریں ڈنگ سک
چینیں زخم جگر کے

سانول کی ہے طرز انوکھی
تن نازک دل تنگ
بالکل مرنا کرتے

ہجرنے ہم کو خلعت بھیجی
سیز اور پیلا رنگ
سو سو درد اندر کے

عشق نے چھوڑا شرم بھرم کو
کیا ناموس اور ننگ
گزرے وقت صبر کے

حال یہ اپنا یار "فریدا"
دل نے کیا ہے تنگ
نہ زندہ نہ مردے

میں رو رو عمر بھائی
سب راحت خوشی گنوائی

بے شک تنقیحِ اجل کی
نظر میں تیر چلا میں کاری
پلکیں کریں لڑائی

عشوے غمزے ناز اور نخے
اور لوگوں کے طمعے

حسن ملاحظہ شکل شاہت
ساری ادا میں سدھائیاں

آنکھیں لال اور آنسو جاری
پلکیں اجڑی چبڑی

لوگ یہ سمجھیں آنکھیں آئیاں
ظالم ہجر چھائیاں

مفت ملامت، سخت ندامت
شر ہوا ناراض

کوئے یار "فرید" نہ آیا
ماتھے لگھیاں پائیاں

کیا عشق نے روگ لگایا ہے
بن دکھ کے کچھ نہ پایا ہے

عشق نہیں یہ نار غصب کی
تن من کیا ہے (کوئلے)

دکھ میں حلتے، آہیں بھرتے
ساری عمر گزاری

ناکوئی سنگی نہ کوئی ساتھی
نہ کوئی پوچھے حال

عشق سے زیادہ نہ کوئی دشمن
خویش قبیلہ ہے ناراض

ہر کوئی چانے ہر کوئی سمجھے
یار کے ٹھور ٹھکانے

ساری سہیلیاں ٹوکیں ماریں
عزت، بھرم گنوایا

شر بازار اور گلیاں کوچے
لوگ مزاق اڑائیں

بات نہیں یہ آج اور کل کی
اڑل سے تھا قسمت میں

بے نشان جن کی خاطر
بے نشان ہوئے ہیں

غم کی ملا گلے میں ڈال
رو رو حال خراب

پیت بنا کوئی رسیت نہ بھائی
مفت ملامت (اٹھائی)

یار "فرید" نے بات نہ پوچھی
رو رو خلق رولائی

(۱۷)

یار بنا کیا جینا
دلدار بنا کیا جینا

ماہی مجھ سے دور ہوا ہے
میں ہجر کے دشت میں ٹھوٹی

ترس بہ آنا اک پل اس کو
میں رنج و الم میں روتی

کوچہ، آنگن دل کونہ بھائے
ہجر کی آگ ستائے

شرم، حاسب بھرم گنوایا
میں رل چکنی کوچے ٹھیاں

عشق "فرید" بہت دکھ دیگا
میں جیتے جی مر جاؤں

(۱۸)

قسم نے حال بتایا ہے
اب وقت جدا ہی آیا ہے

دکھ بڑھے، آرام ہوئے کم
رنج نے دل میں ڈیرے ڈالے
چرخا دکھ سے رول روں بولے

پار سنگار بھلائے دل نے
پھلے اجزے، سرفی بکھری
آس گئی اور یاس آپنچی
تن من کرتے ہیں

نازک بستردار برابر
گل کے ہار ہیں خار برابر
صحن، حومی بار برابر
ہر شے رنج بڑھائے

بخت گیا بد بختی جاگی
لگن چوڑیاں ریزے ریزے
جیتے جی محبوب کو دیکھوں
جان نکتی جاتی ہے

نظر نہ آئے راجھن مہی
کر گیا بے بس دل کو
رنج ادا سی نے تپیا
صبر آرام گنوایا ہے

درد سے چہرہ پیلا، ساوا
نیل دوپٹہ چولا کالا
تجھ بن اپنا جان برا ہے
ہر کوئی دھنکارتا ہے

رسم روانج ہوئے سب الٹے
وصل، وصال کے ناطے ٹوٹے
نین بے چارے رو رو ٹھکے
درد سے دل کرلاتا ہے

چیتر، بھار خزاں جیسی ہے
ہر قریبہ ویران ہوا ہے
ادھر ادھر کی خبر نہیں ہے
وحشی روہی ڈراتی ہے

یار "فرید" نے بات نہ پوچھی
آرزوؤں نے آگ لگائی
قسمت غوطے دیتی ہے

رانجھن دل کا نان
ہمارے من کو بھالیا

ہر دم ہو وے ساتھ ہمارے
کر رکھوں دل پاک

شاید گلے لگاوے
رات کو چیم روتے روتے

روشن صبح ہوئی
کیوں نہیں گلے لگایا

مل جل میکھ مہار منا میں
ساون کی رت آئی

تن من تیری آس
درو سے ٹھنڈی آئیں نکلیں

رو رو کروں پکار
غم نے خوب ستایا

یار "فرید" سے وعدہ کر کے
اس نے نہیں بھالیا
واپس پھر نہیں آیا

کیا دل کا حال سناؤں
کوئی محرم راز نہ پاؤں

صحراوں کی میں چھانی
سب نام اور نگ گنوا یا
کوئی پوچھنے پھر بھی نہ آیا
النا جف سارا ہنتا ہے

بے بوجھ فراق کا بھاری
ہوئی شرب پ شرخواری
روتے ساری عمر گزاری
نہ پتے چلا منزل کا

دل ترپے یار کی خاطر
اور ترپ ترپ غم کھائے
دکھ پائے رنج آٹھائے
ہے طور یہی اب دل کا

کنی و یہی حکیم بلائے
سودارو گھول پلائے
پر دل کا بھید نہ پائے
ہوا فرق نہیں اک تل کا

”پنوں“ ہوت نے بات نہ پوچھی
مجھے چھوڑ کے کچ سدھایا
سب جانتے مجھے رولا یا
میں نے اوں گہ کا اذر نبھایا

سن لیلے کی فریادیں
ترا مجنوں زار نزار ہے
مرا یار اگر اک بار
محمول سے منہ دکھائے

دل پریم نگر کا خواہشمند
ہے قدم قدم دشوار
نہ راہ ”فرید“ نہ رتے
یہ سفر بہت مشکل ہے

حضرت مارے آس جلائے
وطن نہ بھولیں راجھن والے

ہجر فراق کا مشکل رستہ
سائس نہیں، ہیں خبر بھالے

رستے میں سد تیج و خم ہیں
پاؤں میں پزگئے چھالے

دل ہی ازل سے دکھوں بھرا ہے
کیسے ہوش سبھالے

جیتے جی میں دیکھوں جن کو
مولہ بارغموں کے نالے

عشق نے بچھی ہیں سو گاتیں
درد، اندیشے، روگ، کشالے

عات سب حسینوں کی کے
جھوٹ، نج، فریب، اور چائیں

پار "فرید" نہ اترے دل سے
لطف سے دیکھے یا نہ بھالے

یار ضرور ملے گا
دل! نہ غمگین ہو

چھوڑ کر سچ گلوں کی
جا! محبوب کی ہو

باندی بردی یار کی
بردی باندی ہو

چھوڑ کے الفت غیر کی
اے دل! فارغ ہو

عشق میں جینا مشکل
پنل آسراوے

شوق "فرید" کے ہے
تھل کی طرف چلو!

دھیرے دھیرے ٹور
رخھ کو دھیرے دھیرے ٹور

میری چوڑیاں نرم و نازک
لکھے نہ انہیں نکور

رخھ پر بیٹھوں دھڑک نہ بھائے
ہوں میں بہت کمزور

روز ازل سے گلے میں ڈالی
پیارے ترے کی ڈور

شالا مال سلامت لاوں
رستے میں ہیں چور

رخھ کی تھکن ستائے گی تو
گھوڑا میں لوں گی بور

سیدھا، تیز لگام کا آسان
نہ مشکل منہ زور

رانجھن اور میں جوڑ ہیں دونوں
رب نے بنایا جوڑ

اس کی طلب اور چاہت دل میں
روز چائے شور

سفر ہے مشکل دل خواہشند
رب پہنچائے توڑ

عشق انوکھا سخت برا ہے
 سرپر بار اجل کا آیا
 یار مرا ملیم سدھایا
 واپس کوئی پیغام نہ آیا
 پھر تا شر آوارہ ہوں

کچھ یوں کی کوئی خبر نہ آئی
 مفت میں روتے عمر گنوائی
 یار مرے کچھ کام نہ آیا

دکھ ہی دکھ قسمت میں آئے
 اجڑے جنگل ہوئے پرائے
 دل میں درد ہزاروں ہیں

پھر کانٹے راہ جبل کے
 مشکل رستے مارو تھل کے
 جان غموں میں ہاری ہوں
 تھل کی رست نے پاؤں جلائے
 چھلک چھلک جاتے ہیں چھالے
 قسمت میں آئی خواری ہے
 راہ جبل کی سخت ہے گھائی
 ہر جانب ہیں مشکل رستے
 واہ واہ یار کی یاری ہے
 عشق "فرید" ہوانہ ہدم
 ہے ہے بخت ہوانہ آسال
 ہوت بھلا کر چلا گیا

ساون بر کھا باول لاوے
 کوک کوک پانی رے پیپا
 ہوک ہوک تین آگ لگاوے

کوئل، کونج مر وا بولے
 دھیاری کے دل کو جلاوے
 نین چین جھڑت جھڑت
 ترپھٹ ترپھٹ رین بتاوے

چھتیاں دھڑکیں جیارا لرزے
 تجھ بن کالی رین ڈراوے
 روم جھوم رت بر کھا برے
 انگ انگ رس دھوم چھاوے

بیت گئے دن رین دکھوں کے
 کو پیا کو سچ سماوے

مار "فرید" نے پیت نہ پالی
 انگ انگ برہن مر جھاوے

ساون بر کھا گھیر گھیر آئی
آں بجان موز مہار

رو رو تیرے رستے دیکھوں
دن کو کاگ اڑاول
تھمارات میں فال نکالوں
دن کو چین نہ آئے
پناں تمہارے کیچ کے والی
کیسے عمر گزاروں

روز ازل سے میں ہوں تیری
اب کیوں دور ہوا ہے
ویرانوں سے عشق ہوا ہے
بھولے شربازار

ملک ملیر آباد ہوا ہے
ہر جانب گل گزار

صحراوں میں ندیاں چھلیں
رم ہم بادو یاراں
رنگا رنگ دھنک میں دیکھوں
محچلیاں سو ہزار

سرخ درخت یہ کونسلیں پھوٹیں
سبز، زرد اور پیلیاں لالیں
ضخ سویرے چھا جھ بلوٹیں
سیٹیوں کی آواز
گائیں، بکریاں الز بھیریں
چیرتیں جوڑ قطار

یار "فرید" ملے دل خوش ہو
میلا ولیں اتاروں

پردی ڈھولا!

ٹھنڈی ہوا چلی
ساون کی برساتیں آئیں

صحرا میں پھول کھلے
بادل کر جے، بجلی چمکی

شوق سے دل لہرایا
رست پ سبزہ آگ آیا ہے

چیے تج پ دلمن
موج بمار سائے

تالابوں میں پانی چھلکا
کون بھلا سندھ جائے

روز "فرید" نتی ہے لندت
دل کا پھول کھلا ہے

روہی میں رہتی ہیں
نازک نازک جشیاں

شب کو کریں شکار دلوں کے
دن کو چھاچھے کی شیاں

چھپ چھپ تیر چلائیں ظالم
سینکڑوں دلیاں پیاں

کر کے دردمندوں کو زخمی
باندھیں نہ ہرگز پیاں

چرنے جائیں گائیں، بھیریں
”لیلے“، ”گابے“، ”کشیاں“

بھولے مسافر آکر پہنس گئے
”چور کتو نے تریالا“

فقر اپنایا دھونی رہائی
خروڈائیاں شیاں

یار ”فرید“ ادا کی آئی
اج کل خوشیاں گھشیاں

آچنیں چل یا رپیلوں پکیاں نی
 کچھ سفید اور نیلی پیلی کچھ ہیں سبز اور لال
 رنگ میں رنگیاں نی

جنگل بیلہ شاد ہوا ہے
 گل سڑگنی جز دکھ اور غم کی
 ہر جا باغ بمار
 لذتیں پکھیاں نی

پیلوں پر آئی ہیں بھاریں
 کسی کے ہاتھ میں نوکری ہے
 کسی کے سر پر کھاری

کسی نے بڑھ کر نوکری بھری
 کسی نے اپنی کھاری
 کچھ نے لگایا ڈھیر
 بھر بھر پکھیاں نی

جال کے پیٹر آباد ہوئے ہیں
 اجڑے چڑے شاد ہوئے ہیں

پل پل خوشی ہزار

حوراں پریاں ٹو لے ٹو لے
حسن کی ٹھنڈک ہجر کے شعلے
راتیں موج بمار

خوب ہیں ان کے حسن کے غزرے
ابرو تیغ اور تیر نظر کے
تیز بست ہتھیار
دلیاں پیاں نی

کنی لیتے ہیں تول کے ان سے
کچھ لے آئیں ڈیوڑھے کر کے
کچھ بیٹھیں تھک ہار
ہٹھیاں ٹھکیاں نی

ایک طرف ہیں عشوے غزرے
اور ادھر خیراتی بکھرے
مرنے کو تیار
رستاں رسیاں نی

پیلوں چنتے چزی لی راں
چولا بھی ہے لیر کتیراں

شکوے کریں ہزار

ساتھیں، سکیاں نی

آئیں وہ پیلوں چنے کی خاطر
آخر ہوئیں "فرید" کی طرح
چھوڑ آرام قرار
کیاں بکیاں نی

سائیں احمد علی
(۱۸۳۲ء-۱۹۳۳ء)

مترجم
پروفیسر محسن احسان

احمد علی سائیں (۱۹۳۲ء۔۱۸۳۲ء)

راشد میں

فصیلوں کے اندر نئے والا شرپشاور زیادہ تر ہند کو بولنے والوں سے بھرا چکا ہے۔ تحقیق پاکستان سے قبل اندر وہ شرپشاور کے زیادہ تر بائی ہند کو ہی بولتے تھے۔ ہند کو جو کہ بظاہر پنجابی، زبان کا ہی ایک لجد معلوم ہوتی ہے۔ خای بڑی تعداد میں لوگ ہند کو بولتے اور سمجھتے ہیں۔ پشاور کے علاوہ کوہاٹ، نوشہرو اور چند دوسرے بڑے قصبوں میں بھی ہند کو مادری زبان کی حیثیت سے بولی اور لکھی جاتی ہے۔ اس زبان کی شعری روایات بھی بہت پرانی ہیں اور ہند کو شاعری میں لوک گیتوں اور صوفیانہ شاعری کو بے پناہ مقبولت حاصل ہے۔

صوفیانہ طرز فکر کے حاصل ہند کو شعرا میں سائیں احمد علی کو متاز ترین حیثیت حاصل ہے۔ جو ۱۸۳۲ء میں پشاور میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے باقاعدہ تعلیم کبھی بھی حاصل نہیں کی۔ بلکہ حصول علم کے مکنہ اندامات از خود کیے اور کئی ایک زبانیں نہ صرف سیکھی اور سمجھی بلکہ ان میں شاعری بھی کی۔ وہ ابھی کم عمری تھے کہ انہوں نے ہند کو شاعری میں خاصا بڑا مقام حاصل کر لیا۔ کیونکہ ان کے آباء شیراز سے افغانستان کے راستے پشاور آئے تھے اور ان کی مادری زبان فارسی تھی اس لئے سائیں احمد علی کو یہ زبانیں سیکھنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہوئی ان کی زیادہ تر شاعری سی حروفوں پر مشتمل ہے جو کہ ایک مقبول صفت ہے۔ ان کی شاعری اس قدر عالمانہ

اور مفکراند موضوع پر مشتمل ہے کہ کوئی بھی شخص یہ محسوس نہیں کر سکتا کہ یہ ایک ان پڑھ شاعر کی تخلیق ہے
ان کی شاعری کے صوفیانہ انداز نے انہیں عوامِ الناس میں بے حد پذیرائی بخشی وہ اپنی شاعری میں بے حد گنجائیک
اور مگری موضوعات کو اس تدریس اور عام فہم انداز میں پیش کرتے ہیں کہ عام زہنی سطح کا شخص بھی اس سے
لفظ انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وارث شاہ کا تحریر کردہ قصہ ہیر راجھا اور میاں محمد بخش کا قصہ سیف الملوك
جو ان کے دور میں بے حد مقبول تخلیقات تھیں ان کے لئے صوفیانہ تجربوں کی حیثیت رکھتی تھی اور وہ اسی بناء پر
عوامی انداز کے ساتھ ساتھ اپنے شعری تجربوں کی صورت میں عوامِ الناس سے ملک تھے وہ اپنے دور میں
مسلمانوں، سکھوں اور ہندوؤں میں یکساں طور پر مقبول تھے اور انہوں نے اپنے آپ کو کبھی بھی پیر اور مرشد کی
حیثیت نہیں دی۔ سائیں احمد علی نے ۱۹۳۷ء میں پشاور میں وفات پائی۔

(۱)

میں حسد کی حسد سے قطعاً "خائن" نہیں ہوں
کہ وہ میرا کیا بگاڑ لے گا
میرا تو اس کی حسد سے کچھ نہیں بگڑے گا
البتہ وہ حسد کی آگ میں خود کو جلا لے گا
میں اس سے کمزور نہیں ہوں
کہ دبک جاؤں
کیونکہ میری تھیں کی بلند پروازیاں
اس کو پلک جھپک میں پچھاڑ دیں گی۔

(۲)

اے واعظ تو بخوبی مسائل بیان کر
مگر اس میں تلخ لب و لبجے سے گریز کر
جس سے اپنے پرائے کے دل کو دکھ پہنچے
ایسی کوئی بات بھی زبان پر نہ لَا
وہ بخشنے والا گناہ گار کو بخشنش دے گا
تو اس دنیا کو جہنم کی آگ میں تبدیل نہ کر
اے سائیں تو اپنے اعمال سے اپنی زندگی سنوار
اور بد عمل کی برا یوں کی طرف دھیان نہ دے۔

(۳)

زمانے کی ہوا کارخ بدل گیا ہے
 عاقل اب جملہ کو بے شعور نظر آتے ہیں
 جس کے اپنے دل میں کھوٹ ہو
 اسے تمام مومنوں کے دلوں میں کھوٹ نظر آتی ہے
 ان کی آنکھیں سورج کی روشنی سے چند ہیا جاتی ہیں
 اس لئے انہیں چمگاڑ ربھی لنگور دکھائی دیتے ہیں
 اے سائیں خدا کی ساری مخلوق اشراف ہے
 صرف خنزیر کو خنزیر ہی نظر آتے ہیں۔

(۴)

عروسان چمن کے لئے
 دائیہ باد مراد سنگھار کا ساز و سامان لاتی ہے
 برگ و بار سے محروم درخت بزر
 پوش ہو کر نہال ہو گئے ہیں
 خزان کی خت بیماری گزارنے کے بعد
 بلبل زار کو ہوش آیا ہے
 لیکن اے سائیں میرے سونتہ گلشن میں
 بمار لوٹ کر نہیں آئی۔

(۵)

میری آنکھ کھرے کھونے کی بچان رکھتی ہے
 اور میں نیک و بد میں امتیاز جانتا ہوں
 نہ مجھے یہ خواہش ہے
 کہ میری قدر و منزلت کی جائے
 اور نہ ہی میں کسی کی سر برستی چاہتا ہوں
 میرا پختہ ایمان مشکلات و مصائب میں متزلزل نہیں ہوتا
 اے سائیں خدا نے مجھے محبوبیتی کے شرف سے نوازا ہے
 اور میرے لب و لبجے میں تاثیر بھر دی ہے۔

(۶)

تو اپنے کونے اعمال کا
 حساب لے کر حضور خدا جائے گا
 تیرا سب تکبر و غیرہ یہیں دھرے کا دھرارہ جائے گا
 تجھے سفر آخرت پر جانا ہے
 جہاں سے لوٹا ممکن نہیں
 اے سائیں ت عدم سے اس دار الفنا میں روتا ہوا آیا
 اور یونہی روتا ہوا یہاں سے جائے گا۔

(۱۰)

اے خالق کائنات
 میں نے تیری خدائی کی رنگارنگی دیکھی ہے
 کیسیں دل بخل سے بھرے
 اور کیسیں یہ آئینے کی طرح شفاف نظر آئے
 دولت کی ہوس اور جھنکار بری ہے
 کہ یہ کیسیں ہے اور کیسیں نہیں ہے
 اے سائیں، اس کا لطف و کرم بے حساب ہے
 اور اس کی کبریائی کی شان سب سے اعلیٰ ارفع ہے۔

(۱۱)

اے خدا تو دلوں کا حال جانتا ہے
 میرے پاس الفاظ نہیں کہ بیان کروں
 میں تو تیری مرضی کے خلاف
 کیسیں بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتا
 جو تجھ سے منکر ہیں
 میں ان سے ہمکلام بھی نہیں ہوتا
 تو مجھے جس حال میں رکھے
 میں اسی حال میں رہنا پسند کرتا ہوں۔

(۱۲)

جراں میں ہر صبح و شام
 طواف کر کے روشنہ رسول کو بوسہ دیتا ہے
 سر کار جہاں کیسی بھی قدم دھرتے ہیں
 وہ خاک اس نکڑے کو چومتی ہے
 میں نے جب کبھی ان کا نام لکھا
 تو کاغذ نے قلم کا منہ چوم لیا
 اے سائیں میرے رسول کے قدم جب عرش پر پڑتے ہیں
 تو عرش انہیں بار بار بوسہ دیتا ہے۔

(۱۳)

شہنشاہوں کا جاہ و جلال بھی
 آپ کے در کے در بانوں سے کمتر ہے
 آپ کے براق کی تیز رفتاری کے سامنے
 کوندے کی لپک بھی ماند ہے
 امی ہونے کے باوجود بھی
 ہر علم پر آپ کو دسترس حاصل ہے
 تمام عالموں کا علم آپ کے سامنے بے وقت ہے
 آپ کی محبت کے سامنے خلد کم
 اور آپ کے غصب کے آگے نار دوزخ پیچ ہے۔

(۱۴)

اے غفلت میں وقت بس رکنے والے
 تو گزرے وقت کو روئے گا
 تیرے سامنے مشکلات راہ ہیں
 جنہیں تو نے پار کرنا ہے
 روز محشر نیک و بد الگ الگ ہوں گے
 اے سائیں تو اپنے سیاہ نامہ اعمال کو کہاں دھوئے گا
 ابھی سے اس کی فکر کر۔

(۱۵)

جب اچانک بچھڑے دوست میں
 اور خیریت و عافیت دریافت کریں
 تو پھر دشمنوں کا شکوہ کون کرے
 میں نے سو سو طرح قضا کو نالے کی کوشش کی
 مگر یہ کیس اپنی چال نہیں چھوڑتی
 میرے جسم کے سیاہ بال سفید ہو گئے
 مگر اے سائیں
 بد نصیبوں کی تیرہ بختی ختم نہیں ہوتی۔

موسم بھار آپنچا
 اے ساتی میرے تھی ساغر کو لبریز کر دے
 جس کے پینے سے درد والم جاگ انھیں
 اس نشے کے اثر کو بلا انگیز کر دے
 اے مے فروش
 سائیں کو جس حسن کی تلاش ہے
 وہ اس کی آنکھوں پر
 اپنی شراب کی تاثیر سے عیاں کر دے۔

زنگیری دار

بانسری کو کس نے ایجاد کیا
 اور کس نے اس کو رفت آشنا کیا
 یہ کس کا دور تھا جس نے اس کو صاحب فریاد بنادیا
 کس کی بانسری سارے سنار میں نغمے بکھیر رہی ہے۔

وہ کون لوهار ہے
 جس نے تار بنائی
 اور وہ کون نجار ہے
 جس نے لکڑی کو تراشا
 ایسے ساز کا کون اسٹاد ہے
 جس کے تار بغیر چھوئے فضا میں نغمے لثاتے ہیں۔

کون بولتا ہے اور کون بلواتا ہے
 کون سنتا ہے اور کون سنواتا ہے
 وہ کون ساجوگی ہے
 جو چھوٹک مارے بغیر اس سے سر پیدا کر رہا ہے۔

یہ ایک ہی طرح کے دیوانوں کی انجمن ہے
اور انہی کے دم سے عیش و ماتم پا ہے
یہ سارے راز ہائے مخفی سے شناسا ہیں
اور سمجھتے ہیں
کہ یہ بانسری بیکار
اور بے معنی طور پر نہیں بج رہی۔

ہوشیار! کہ اس کا کوئی سربے ربط نہ ہو
کیونکہ اس کے ہر بول میں ایک راز ہے
اور اس کی ہر گت میں کیف نیاز ہے
یہ کس کے واسطے متانہ وار سرالاپ رہی ہے۔

ہر سر کا اپنا ایک حسن ہوتا ہے
جو سر حسن کمال سے خالی ہو
اس کا کوئی لطف نہیں ہوتا
ذرا غور سے سن
کہ ہر سر اس ذات باری کا نغمہ خواں ہے۔

تاروں کے ہر سر سے
”ستار ستار“ کی آوازیں ابل رہی ہیں
اور ستار کا کوئی تار بھی بے تال نہیں
ہر ایک تار سے آگ آگ کی صدا اٹھ رہی ہے
مطربا، تو نے کیسا دلکش ساز چھیڑ دیا ہے۔

وہ ذات باری ہر شے میں موجود ہے
ہر پھول ہر پتے سے اس کا جلوہ عیاں ہے
اے سائیں اس کے ہی نغمے
کل کائنات میں گونج رہے ہیں۔

کتابیات

کتابیات

۱۹۷۶ء	جیکپر لینڈ، لاہور	کلام بھئے شاہ (اردو تعارف)	احمد سید نظیر
۱۹۸۳ء	جیکپر لینڈ، لاہور	کلام بیبا فرید (اردو۔ سرائیکی)	احمد سید نظیر

History of Sindhi Literature

۱۹۹۱ء	ورنگارڈ، لاہور	ہمڑی آف سندھی لزیچ	اجوانی۔ ایل۔ ایچ
۱۹۷۱ء	علی گڑھ	خواجہ میر درد (تصوف	اختر حیدر

اور شاعری)

four Classical Poets

of Sind

۱۹۸۳ء	جامشور و انسٹی ٹیوٹ آف سندھ	فور کلاسیکل پوش آف سندھ	الانجی
	سندھ عالیٰ		

۱۹۸۰ء	کراچی	چل سرمت رسالو	انصاری عثمان
		سندھی	
۱۹۶۶ء	مجلس شاہ حسین، لاہور	دی پا ٹس ان نون	انور۔ غلام یعقوب

The Paths Unknown

۱۹۹۰ء	انجمن ترقی اردو، کراچی	سیف الملوك	عقل شفیع
		(میاں محمد سے ترجمہ	
		چنالی سے اردو)	

۱۹۳۷ء	آکسفورڈ	کتاب صدق	آریہی، اے بے
-------	---------	----------	--------------

The Book of Truth

Fulness

(ابو بکر الحز)

جارج امین ایڈ انون لندن لینڈ	Sufism An Account Of the	آریہی۔ اے بے
------------------------------	--------------------------	--------------

۱۹۶۶ء	لندن اینڈ بوشن	Muslim Saints And Martyrs	آریہی - اے بے
Episodes			
۱۹۶۶ء	Rod,Ledge and Keganpaul	تذکرہ الاولیا - فرید الدین عطر	عطر، فرید الدین
Cicra 13c			
۱۹۶۶ء	Inaberry	تذکرہ الاولیا (انگریزی ترجمہ)	ایاز شیخ
۱۹۶۳ء	حیدر آباد	اردو ترجمہ (شاہ جو رسالہ)	بلوچ نئی بخش
۱۹۶۳ء	اربی بورڈ، جامشورو	سول شاہ عنایت جو کلام	بلوچ سردار خان
	حیدر آباد سندھ		
۱۹۸۳ء	بلوچ اکیڈمی، کوئٹہ	ALiterary History Of the Baluchis Vol-2	
۱۹۷۹ء	ائیٹ یونیورسٹی آف نیویارک پریس، نیویارک	Love Theory In Later Hanbilis Islam	بنی عبدالجید
۱۹۶۱ء	لوک ورث، اسلام آباد	شاہ حسین (اردو ترجمہ)	
۱۹۷۶ء	سیل اکادمی، لاہور	An Introduction To Safi Doctrine ...	Butrukhardftitus
N.D	کوہ نور پریس، لاہور	(Tyran,D.M.Matheson 3)	چشتی نور احمد
۱۹۰۷ء	لندن	Popular Poetry Of The Baloches Vol 142	Dames M Longworth
۱۸۹۲-۳A	بھوپال	چار رسالہ	درد، سیر
۱۸۹۲-۳A	بھوپال	علم الکتاب	درد، سیر
۱۹۱۵ء	انتخاب پریس اور کشیری بازار، لاہور	مجموعہ ایات سلطان باہو، بخاری	دین، بیان فضل
۱۹۶۷ء	مجلہ شاہ حسین، لاہور	دہبے بابا فرد	الی مقبول

دین محمد	باغ اولیائے ہند (پنجابی)	ND
اہم ایام	Supp. No 35 To Annals	A. Balochi Miscellany Of Ebdenbein, Josef, H
اہم ایام	Dell Institute	Erotica And Poetry, Cadex
اہم ایام	Oriente (Naples) 34:2	Oriental Additional 24048 of British Library
اہم ایام	Herning Denmark	Selection From Rehman Baba Enevoldsen, Jens
	Poul Kristensen	
اہم ایام	لاہور	دیوان بلجے شاہ فقیر، ایم فقیر
اہم ایام	لاہور	The Mujaddids, Conception of God فاروقی بشیر احمد
اہم ایام	سک میل، لاہور	سندھ اور اس کے صوفی گرائجے پی
اہم ایام		داشتہ ادبیات تحریک (پشتو) کامل جبی، عبدالحقی
اہم ایام		Some Notes On The Naqsh Bandi Order Muslim World 59 جبیب مسیڈ بلین
اہم ایام	Goerge Allen Wn Win	شکوه الغریب (عربی سے ترجمہ) ہدائی میں القدت
	A.U.arierry, Asifi Martyr	
	Ltd, London	
ND	حسین اشیم پرلس، لاہور	مناقات سلطانی فارسی اردو) حامد سلطان
اہم ایام	سید ہاشمی اکادمی، گرچی	بلوچی زبان و ادب کی تحریک اردو ہاشمی ظہور شاہ
اہم ایام	پشتو، اکادمی، پشاور	The Poems of Khushhal Howell Evelyn and Khan Khattak caroeolaf
اہم ایام		اویس القرنی اور اویسی صوفی مسلم ورلڈ ۲-۵۷ حسینی، اے، ایس
اہم ایام	مقبول اکادمی، لاہور	کشف الحجوب (فارسی سے اردو ترجمہ) ہجوری، علی

۱۹۵۶ء	پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس، اسلام آباد	The Life and work of Jalal Uddin Rumi	اقبال، افضل
۱۹۷۱ء		The Basic Structure of Metaphysical Thinking	Izutsu, Toshihiko
		In Islam in Mohajhegh Mehdi and Hersmann and oit (Collected papers on Islamic Philosophy and Mysticism)	
۱۹۸۰ء	لوک ورث، اسلام آباد	من میلہ (میاں محمد کی پنجابی کا اردو ترجمہ)	جعفری - ضمیر
۱۹۸۹ء	انٹاک ہوم	Standardization of orthography in the Balochi Language	Jahani, Carina
۱۹۵۷ء	ایم توحیدی فر تران پاکستان پنجابی ادبی	نفاحت المرس وحدت ابو جودتے پنجابی شاعری	جاں عبدالرحمن جلال پوری - علی عباس
۱۹۷۷ء	بورڈ لاہور		قاضی عیا
۱۹۶۵ء	سندھی ادبی بورڈ	رسالو آف شاہ عبد اللطیف Selection Translation In English From Sindi (II Edition) 1981	
۱۹۸۱ء	آگسٹورڈ یونیورسٹی پرنس کراچی	The roll of Qadri Sufis In The religious Life of Sind In Khothro Hamida (ED) 1981 Sind Through The Centuries	خان - انصار زادہ

۱۹۸۷ء	کلام خوشنال خان خلک (8 جلدیں) (اکادمی ادبیات پاکستان	ذلک۔ پریشان
	اسلام آباد	(۸۔ والیومن) اردو ترجمہ
۱۹۷۷ء	انڈس چبل کیشنر کراچی	پنجابی صوفی شاعر ۶۹۰۰-۱۳۶۰ AD
۱۹۹۳ء	آسپورڈ یونیورسٹی پرنس	A History of Sind
	کراچی	لاری۔ سیل ظمیر
۱۹۹۲ء	ہسٹری آف لاہور	لطیف۔ سید محمود
۱۹۸۷ء	یونیورسٹی شی آف دی پنجاب	ملک۔ شہباز
	لاہور	اردو اور معارف اسلامیہ

Encyclopedia of Islam in Urdu

VOL.21

۱۹۸۷ء	اکادمی ادبیات پاکستان	در جیں، بلوچی سے اردو	میر۔ میر مسحیخان مری
	اسلام آباد	ترجمہ (نغم)	
	paris	La passion D'Al-Hoysan IBN	Massignon, Louis
		Mansoor Al-Hajj Ajl, Martyr	
		Execute A Bagdadie	26
		Mystique De, Islam	
		Mars 922. (2 VAL)	
۱۹۵۶ء	لندن	Saints of Sind	Mayne Petr
۱۹۲۸ء	تذکرہ اولیائے ہند (تین جلدیں)	میر پرنس دھلی	مرزا محمد
۱۹۸۰ء	کچل سرست (اردو ترجمہ)	لوک ورثہ، اسلام آباد	مرزا شفقت نوری
۱۹۸۳ء	عزیز خان، پشاور	دار حمن بابا کلیات (پشو)	مومند۔ کامل اور
			مومند قلندر
۱۹۸۰ء	ان قرشی	سلطان پاہو کے ملک چاند دین	مفتی۔ ممتاز
۱۹۸۸ء	ادارہ ثقافت بلوچستان، کوئٹہ	دوستین شیرن (بلوچی سے	نصیر۔ میر گل خان
		اردو ترجمہ)	

نیر۔ مختار علی	قدیم شعراء ہند کو۔ احمد علی	سائیں (ہند کو) جلد ۲	۱۹۹۱ء
Nichoisin Reynoed A	The Tarjaman Al Ashwaq By	A Collection of Mystical Odes	۱۹۹۱ء لندن
Farid UDDIN Ganjshakar	By Mohyuddin IBM, al, arabi	The Life and Times of Shaikh	۱۹۷۶ء یونیورسیٹی بکس، لاہور
Nwyapaul	Eegese conigue of lanqag	Mystiques	۱۹۷۰ء بیروت
قادری ایاز حسین	کلام شاہ عبداللطیف بھٹائی	(اردو ترجمہ نہ) چار جلدیں	۱۹۹۳ء اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد
رضوی سید وقار	تذکرہ صوفیائے سرحد	عکس باہو (باہو کے پنجابی بیت	۱۹۶۶ء لاہور
تدوی، اعجاز الحق	کا اردو ترجمہ)	کا اردو ترجمہ)	۱۹۸۰ء لوک ورثہ
قریشی۔ مسعود	بلیس شاہ (انگریزی ترجمہ)	دیوان فرد	۱۹۸۲ء دین گارڈ بکس، لاہور
رفعت۔ توفیق	(سرائیکی سے اردو ترجمہ)	دیوان عزیز	۱۹۳۳ء عزیز الطالب پریس
رحمان عزیز	Boy, Love in The Urdu Gazal	Annual of Urdu Studies (1990)	۱۹۹۰ء بہاولپور
رحمن۔ طارق	A History of Pakistani Literature	Ravery HG	۱۹۹۱ء Vanguard Press Lahore
صادق۔ محمد	Selection From The Poetry	Of the Afghans	۱۹۶۲ء لندن
مرست۔ پل	A History of Urdu Literature	چل سرست، سندھی، پنجابی	۱۹۸۳ء آنفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی
فاری اور اردو کلام	قاری اور اردو کلام	چل سرست، سندھی، پنجابی	۱۹۸۰ء لوک ورثہ، اسلام آباد

ترجمہ شفقت نوری مرزا

Kitab Al-Lima Fi Tasawwaf

سراج-ابونصر

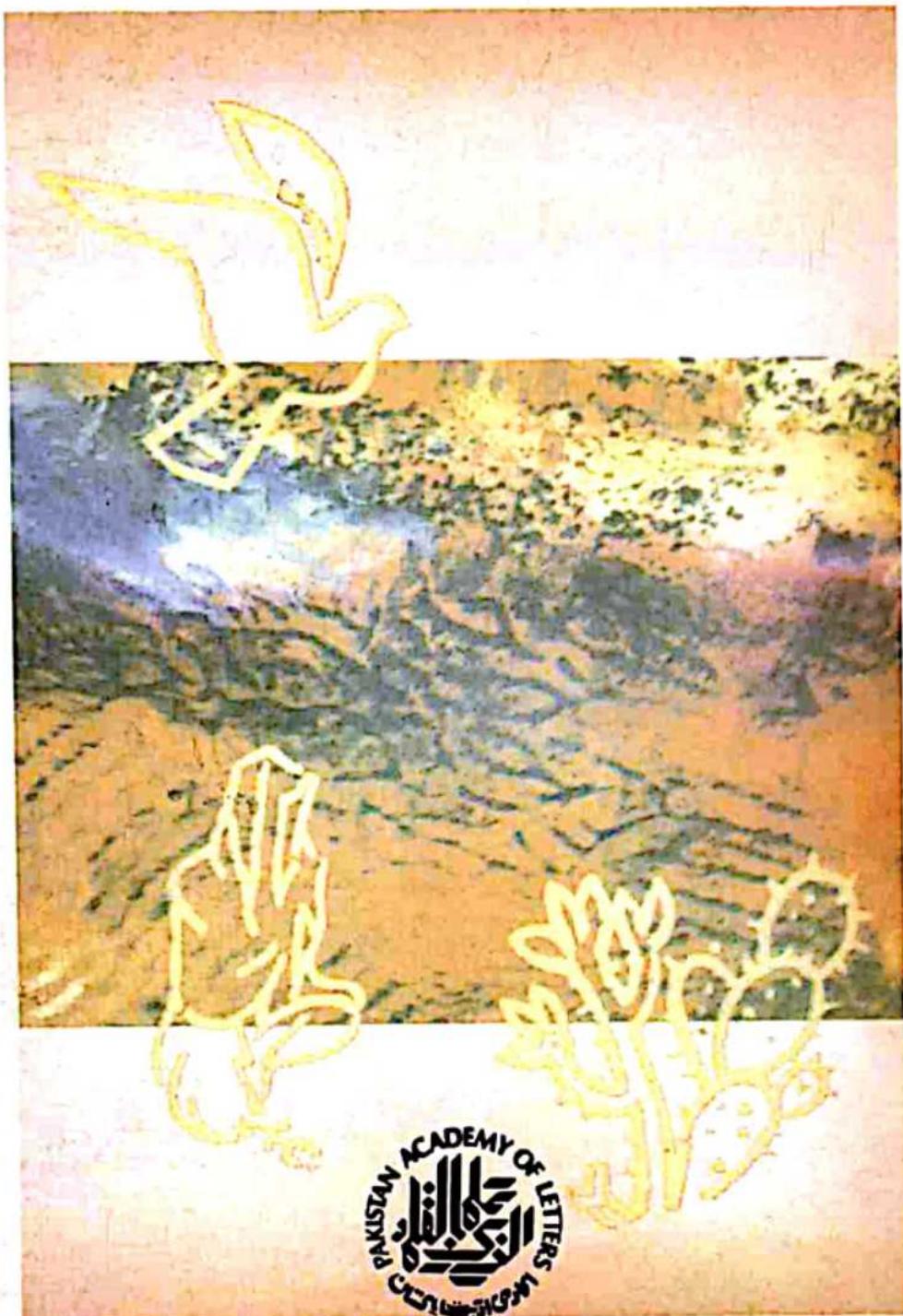
۱۹۷۴ء	Leikdn and London	ED. and translated A. Nicholson	
۱۹۷۶ء	ہوب پریس لاہور	خازینات الاصفیہ (فارسی)	سرور۔ مفتی غلام
۱۹۷۷ء	نول کشور پریس لکھنؤ	تحریک مخزن چناب (اردو)	سرور۔ مفتی غلام
۱۹۷۸ء		Shah Abdul Latif	Schimmel Annemarie
		NOS 3-4	
۱۹۷۹ء		The Martyre Mystic Hallajin	
		Sindhi folk Poetry Naman	
		9 (1962)	
۱۹۷۹ء		Shahinayat And Jhok A Sindhi	
		Mystic of The early 18 Th Century	
		In Liber Amicorum in Honour of CV	
		Bleeker Leiden.	
۱۹۷۷ء	Memorial Vol	A Sincere Muhammadans Way	
	SFC Brandon	To Salvation in Sharpe Eried	
	Manchester	And Hinnels John R (ED)	
۱۹۷۵ء	The University North	Mystical Dimensions of Islam	
	Carolina Press	chapalHill	
		Carobira PRSS	
۱۹۷۶ء		The Ethic of Malamatiya Sufism	Seale Morress S.
		and The Sermon on The Mount	
		Moslem World 58.	
۱۹۸۳ء	بِنْ شَفَقَتْ مَان	Fifty Poems of Khawaja Farid	Shackle Christopher
۱۹۸۷ء			

Eagbesh Vesse

۱۹۸۶ء	وارث شاہ میسور مل کینی لاہور	حیر و ارث شاہ (پنجابی) (محمد شریف)	شاہ و ارث
۱۹۷۷ء		حثات العارفین (فارسی) عارف کھاری - وارث شاہ (میاں محمد غیر)	ٹکوہ - دارا سکندر - میاں محمد
۱۹۵۰ء	لندن	Readings from The Mystics of Islam	Smith Margaret
۱۹۳۰ء	سندھی کتاب گھر، کراچی	Shah Abdul Latif of Bhit His Poetry Life and Times	Sorley HT.
۱۹۷۸ء	پنجابی ادبی مرکز، لاہور	Recurrent Patterns in Punjabi Poetry Patterns in Punjabi Poetry	سید مجید جسین
۱۹۷۶ء	(۱) سوری پنجابی اکادمی، لاہور	Ballah Shah Sufi Mystic and poet of The Punjab	Usborne
۱۹۶۵ء	(۲) ظہیر الدین محمد (۳) تسلیشی، دارالعلوم، دہلی		
۱۹۹۳ء	سابتیہ اکادمی، دہلی	A History of Urdu literature	زیدی علی جوار
۱۹۸۳ء	الائیڈ پبلیشورز (پرائیوی)	The Prisoner Translated from punjabi, English by	زنان - غر
	لینڈن، نی دہلی	Khalida Hasan	

ڈاکٹر طارق رحمن کی انگریزی کتابیات اردو ترجمہ محبوب عزیزی

MYSTIC POETS of PAKISTAN
Urdu Translation



Pakistan Academy of Letters
Islamabad, Pakistan

ISBN-978-969-472-222-1